إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ (القرآن)

تقابلِ ادیان

ادیان ومذاہب عالم کا تاریخی اور اسلام کے ساتھ
تقابلی مطالعہ، عام طرزِ تحریر سے جُداگانہ
اسلوبِ بیان میں ایک مُفید معلوماتی کِتاب

مؤلّف
حضرت مولانا پروفیسر محمّد یُوسف خان صاحب مدظلّہ
استاذ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

بیتُ العُلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور- فون: ۷۳۵۲۴۸۳

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ (القرآن)

تقابلِ ادیان

ادیان و مذاہب عالم کا تاریخی اور اسلام کے ساتھ
تقابلی مطالعہ، عام طرزِ تحریر سے جُداگانہ
اسلوبِ بیان میں ایک مفید معلوماتی کِتاب

مؤلف
حضرت مولانا پروفیسر محمد یوسف خان صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

بیتُ العُلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون ۷۳۵۲۴۸۳

کتاب تقابل ادیان

مؤلف حضرت مولانا پروفیسر محمد یوسف خان صاحب مدظلہ

باہتمام محمد ناظم اشرف

ناشر بیت العلوم۔۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور

فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور

ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور

ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی

دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ا

بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ا

بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی

ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ قرآن = بنوری ٹاؤن، کراچی

مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فہرست

﴿تقریظ﴾

استاذ العلماء، جامع المحاسن، فضیلۃ الشیخ
حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب مدظلہٗ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

اما بعد!

زیر نظر رسالہ ''تقابل ادیان'' کا کہیں کہیں سے مطالعہ کیا، مولانا محمد یوسف خان صاحب کا انداز بیان اتنا صاف، سلیس اور سمجھ میں آنے والا ہے کہ پڑھنے والا اگر تھوڑی سی توجہ کر کے مطالعہ کرے تو اس کو کہیں رکاوٹ نظر نہیں آئے گی۔

مولانا نے علاوہ اسلام کے تیرہ دیگر ادیان پر قلم اٹھایا ہے، حقیقت پسندی اور غیر جانبداری کے ساتھ اگر ان کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ اب قیامت تک کے لئے امت کی رہنمائی کا حق صرف اور صرف اسلام کو ہے۔

نبی کریم سرور دو عالم ﷺ نے جو جو ارشادات دین کے بارے بیان فرمائے ہیں ان کا ایک ایک حرف سچا ہے خصوصاً عیسائیت اور یہودیت جو اس وقت دنیا کے اندر اپنے مذہب کو سچا ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، غیر مسلم دنیا اور ان کی حکومتیں ان کو پروان چڑھانے کے لئے سالانہ بجٹ مقرر کر رہی ہیں ان

سے متعلق بھی احادیث مبارکہ میں مفصل مواد موجود ہے اور قربان جائیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ تورات وانجیل اور ان کی تحریف کے بارے اس مدلل انداز سے بیان فرما گئے ہیں کہ آج تک عیسائی اور یہودی دنیا ان تحریفات کا جواب نہ دے سکی۔

اس کتاب کے مطالعہ سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب انسانیت کے لئے ایک رہنما ثابت ہوگی، خداوند کریم قارئین کرام کو حقیقت پسندی کے ساتھ اس کے مطالعہ کی توفیق عطا فرمائے، میں یقین سے کہتا ہوں کہ اگر غیر جانبداری اور حقیقت پسندی سے اس کا مطالعہ کیا جائے گا تو یقیناً حق کی راہ کھلی سامنے نظر آئے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمادیں۔

حافظ فضل الرحیم
استاذ الحدیث و نائب مہتمم
جامعہ اشرفیہ لاہور

﴿عرض مؤلف﴾

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم امابعد!

ادیان و مذاہب کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی قدامت ادیان و مذاہب میں ہے، یہ الگ بات ہے کہ اوراق تاریخ میں انہیں درج کرنے کا اہتمام بہت بعد میں ہوا ہے، تاہم اب بھی اس موضوع پر مستند مواد کے ذریعے بہت کچھ کہا اور لکھا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

عربی زبان وادب میں "لکل فنٍ رجالٌ" کا مقولہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں، یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہر فن کے لئے فن کار اور ہر علم کے لئے صاحب علم مخصوص ہونا دنیا کا مسلم ضابطہ ہے، تاریخ و مذاہب بھی اپنی اپنی اہمیت کے مطابق فنون میں شمار کئے جاتے ہیں لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آج دنیا اس کے ماہرین سے خالی ہوتی جارہی ہے اور اس میں نئی نسل کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے، ہاں! دیگر مذاہب کی رسومات اپنانے میں نئی نسل کسی طور پیچھے نہیں دکھائی دیتی۔

اس موقع پر ایک تجزیہ نگار کہہ سکتا ہے کہ دین اسلام سے آگاہی میں کمی اور دیگر مذاہب کا میڈیا کے ذریعے پرچار ہمیں اس نہج پر لے آیا ہے کہ اس پر اقبال کا یہ شعر بلاتکلف صادق آتا ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اور اب تو نوبت بایں جارسید کہ دور حاضر کے مسلمان دوسرے مذاہب کی مذہبی اقدار کو فخریہ طور پر اپنانے کے بعد اس بات سے بھی مکمل ناآشنا ہوتے ہیں کہ وہ کس مذہب کی رسوم ورواج سے وابستہ ہیں۔

☆☆☆

قبل از تاریخ مذاہب کے وجود اور اس سے متعلق مفصل حالات اولاً تو کسی

قابل اعتماد ماخذ اور مستند حوالہ سے ہم تک نہیں پہنچتے اور جن سے متعلق کچھ معلومات دستیاب بھی ہوتی ہیں تو وہ انتہائی ناکافی ہیں، اوران کا ماخذ بھی صرف ظنی چیزیں ہیں چنانچہ آثار قدیمہ کی کھدائی کے بعد جن فرضی مذاہب سے پردہ اٹھایا گیا ہے ان پر یقین کرنے کی ہمارے پاس سوائے اس کے اور کوئی دلیل نہیں کہ "یہ آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے سامنے آنے والی تحقیقات ہیں" اس لئے قبل از تاریخ، مذاہب کے وجود اور ان کی تفصیلات سے متعلق قطعی طور پر کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔

☆☆☆

مدارس دینیہ میں جہاں اور بہت سارے علوم وفنون کی تحقیقی اور اہم کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، وہاں عرصہ سے اس بات کی بھی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ تقابل ادیان و مذاہب کے عنوان پر کوئی جامع اور مختصر سا مجموعہ مرتب ہو جائے تا کہ موجودہ دور کے طلباء اور مستقبل کے علماء دیگر مذاہب کا تعارف ذہن نشین کریں اور نئی نسل کے سامنے "تقابلی مطالعہ" پیش کر کے دین اسلام کی حقانیت کو اجاگر کرسکیں۔

☆☆☆

زیر نظر کتاب میں بے جا تفصیل اور حد سے زیادہ اختصار سے کام لئے بغیر بنیادی اور اہم مذاہب سے متعلق مفید مواد جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ہر مذہب کی اہم باتیں ذکر کرنے کے بعد اس مذہب کے اہم امور کا اسلام کے ساتھ تقابلی تبصرہ بھی پیش کیا گیا ہے لیکن اس میں تمام جزئیات کا احاطہ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ بطور نمونہ صرف چند امور کے تقابل پر اکتفاء کیا گیا ہے جس پر آپ قیاس کر کے دیگر مذاہب اور اسلام کے مطالعہ کے بعد تقابلی مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

آخر میں اپنے ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرنا میں اپنے لئے ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کو آپ کے ہاتھوں تک پہنچانے میں اپنی کوشش و کاوش سے میرے ساتھ تعاون فرمایا، خصوصاً عزیزم مولانا محمد ظفر اقبال سلمہ خصوصی دعاؤں کے مستحق ہیں

جنہوں نے مسودے کی ترتیب و تدوین میں تعاون کے ساتھ ساتھ دیگر کتب سے مراجعت میں خوب محنت فرمائی، نیز ناشرِ کتاب عزیزم مولانا محمد ناظم اشرف سلمہ، کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائیں جنہوں نے اس بہترین انداز میں کتاب کی اشاعت کا اہتمام فرمایا۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے اور میرے لئے ذخیرۂ نجات بنائے۔

آمین

احقر محمد یوسف خان عفی عنہ

۲۹ ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ

﴿مقدمہ﴾

تقابل ادیان کا معنی، وجودِ مذاہب کے اسباب،
عبادۃ الاوثان کے اسباب، قبل از تاریخ مذاہب
کی دریافت کے ذرائع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿مقدمہ﴾

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو وجود بخشا، اس میں ضروریات مہیا کیں، انسان کو اس کا مکین بنایا اور اسے زندگی گزارنے کا ڈھنگ اور سلیقہ سکھایا چنانچہ آج تک دنیا میں جہاں کہیں بھی انسانی آبادی ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی دین یا دھرم اور مذہب سے ہو، بہرحال اس کا اپنا ایک طرز معاشرت ہے جسے وہ شدت کے ساتھ اختیار کیے ہوئے ہے اور لغوی معنی کے اعتبار سے یہی مفہوم ہے مذہب کا۔ کیونکہ ''مذہب'' اسم ظرف کا صیغہ ہے جو مصدر میمی کے طور پر استعمال ہوتا ہے بمعنی چلنے کی جگہ، چلنے کا راستہ وغیرہ اور اصطلاحی طور پر مذہب کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ جن اصولوں پر چل کر زندگی گزاری جاسکے، ان اصولوں کو ''مذہب'' کہتے ہیں۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اور لفظ بکثرت استعمال ہوتا ہے جسے مذہب کا مترادف بھی قرار دیا جاتا ہے اور وہ ہے لفظ ''دین'' چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿ان الدین عند اللّٰہ الاسلام﴾ (آل عمران: ۱۹)

لیکن یاد رہے کہ ''دین'' اور ''مذہب'' میں ایک بڑا باریک فرق ہے اور وہ یہ کہ دین نام ہے ان اصول وضوابط کا جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان مشترک رہے جب کہ ''مذہب'' انہی اصول کی فروع کا نام ہے اس سے معلوم ہوا کہ دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، البتہ مذاہب تبدیل ہوتے رہے ہیں۔

☆☆☆

مذہب کے اس تناظر میں بعض ایسے لوگ بھی سامنے آئے ہیں جن کا کوئی نظریہ اور مذہب نہیں، انہیں ''دہریہ'' کہا جاتا ہے تاہم ''دہریہ'' کی یہ تعریف ''جو خدا اور پیغمبر خدا

کا منکر ہو' زیادہ جامع ہے کیونکہ ہر انسان اپنے اپنے طرز پر زندگی گزار رہا ہے اور اس نے اپنی زندگی کے لئے ایک خاص نہج کو منتخب کر رکھا ہے، اور اسی کو مذہب کہتے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں انہی مختلف مذاہب اور اسلام کے درمیان ایک تقابلی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے تا کہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ دنیا کا کوئی دین، کوئی دھرم اور کوئی مذہب اسلام سے زیادہ نہ تو روشن خیال ہے اور نہ اعتدال پسند۔ اس سے جہاں اسلام کی عظمت و اہمیت دلوں میں اجاگر ہوگی، وہیں دور حاضر کے خوشنما، جاذب نظر اور پر کشش نعروں کی حقیقت بھی واضح ہو سکے گی۔

☆☆☆

یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ''تقابل ادیان'' کے موضوع پر جب سلسلۂ گفتگو شروع کیا جاتا ہے تو بعض لوگ اسلام اور سائنس کے درمیان بھی تقابل شروع کر دیتے ہیں حالانکہ اسلام اور سائنس آپس میں مقابل فریق کی حیثیت رکھتے ہی نہیں کیونکہ سائنس نام ہے مشاہدات اور تجربات کا اور اسلام نے کبھی مشاہدے اور تجربے کی نفی نہیں کی البتہ اپنے پیروکاروں کو 'ایمان بالغیب'' کی دولت سے ضرور مالا مال کیا ہے، اسی طرح سائنس کا کوئی اصول ایسا نہیں جو نا قابل تبدیل ہو اور دین کا ہر اصول اپنی جگہ اٹل ہوتا ہے، اب اگر دین کا کوئی اصول سائنس سے متصادم نہ ہو تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم اس میں ضرور کوئی نہ کوئی تقابل کی صورت پیدا کریں کیونکہ تقابل مذاہب میں کرنا مقصود ہے اور سائنس کوئی مذہب نہیں اس لئے اسلام اور سائنس کے درمیان تقابل نہ کیا جائے۔

مذاہب کیسے وجود میں آتے ہیں؟

وجود مذاہب کا سبب دو لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ جہاں مظاہر قدرت کی کوئی عجیب و غریب تاثیر دکھائی دی اسی پر فریفتہ ہو کر اسے خدا سمجھ لیا اور یوں ایک نیا دین وجود میں آ گیا۔ اس موقع پر اس بات کا قائل ہونا مشکل ہے کہ زمانۂ قدیم کے لوگ عقل و شعور اور فنون متداولہ سے نابلد تھے کیونکہ کیمسٹری میں ان کی مہارت اتنی

مسلم ہے کہ آج کے جدید ترقی یافتہ دور میں بھی اس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی چنانچہ فرعون کی لاش کو انہوں نے ایسے مصالحے لگا کر محفوظ کیا تھا کہ آج تک وہ محفوظ اور موجود ہے اور اس پر مستقل کئی مقالے لکھے جا چکے ہیں لیکن آج تک ان مصالحوں کو دریافت نہیں کیا جا سکا۔

علم فلکیات میں انہیں اتنی مہارت حاصل تھی کہ بغیر کسی دوربین یا خوردبین کے زمین پر بیٹھے بیٹھے انہوں نے پانچ سیارے دریافت کر لئے تھے جنہیں آج تک کوئی غلط ثابت نہیں کر سکا۔ سورج کے پجاری بلاوجہ سورج کی پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے اپنے یہاں مروج سائنس کے ذریعے پتہ چلایا کہ جہاں پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں وہاں لوگوں کو زندگی ملتی ہے اور جہاں سورج کی کرنیں نہیں پڑتیں وہاں زندگی تو بڑی دور کی بات نہ گھاس اگتی ہے اور نہ جانور زندہ رہتے ہیں چنانچہ آج بھی بحر اوقیانوس، قطب شمالی اور قطب جنوبی میں زندگی نہیں اور وہاں کا پانی مچھلی سے خالی ہے۔ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر کچھ لوگ سورج کی پرستش میں مشغول ہو گئے، کچھ لوگوں نے دیکھا کہ مادی اشیاء کو آگ سے حرارت ملتی ہے اور آگ کے کارنامے بڑے زبردست ہیں انہوں نے آگ کی پرستش شروع کر دی، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم نے صدائے توحید بلند کرنے کے جرم میں قتل کیا اور نہ ہی سولی پر چڑھایا بلکہ انہیں آگ میں ڈال دیا کیونکہ آگ ان کا خدا تھی گویا انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے خدا کے سپرد کیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے، اسی طرح اہل مصر پانی کے بھی پجاری تھے اور ایک خوبصورت دلہن کو سجا کر دریا کی نذر کرتے تھے جو ان کے یہاں خدا کی پسندیدہ ترین عبادت تھی۔

مظاہر قدرت کی پرستش کا یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے اتنا وسیع ہوا کہ لوگوں نے جانوروں تک کو اپنا خدا بنا لیا چنانچہ ہندوؤں نے گائے کو اپنا خدا قرار دیا اور لنگور کو مقدس سمجھ کر پالنا شروع کر دیا جسے ان کے یہاں ''ہنومان'' کہتے ہیں، سری لنکا میں اب بھی ہاتھی کی پوجا ہوتی ہے اور مصر میں ایک زمانے تک اہل مصر ہاتھی کو اپنا معبود سمجھتے رہے،

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ان کی غیبت کے صرف چالیس دنوں میں اتنے بگڑ گئی کہ بچھڑے کی پوجا شروع کر دی اور اس کی دلیل ان کے پاس یہ تھی کہ یہ بچھڑا بے جان ہو کر بھی آواز نکال رہا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہی خدا ہے حالانکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو سامری نے جب اس بچھڑے کو بنایا تھا تو اس کی ساخت ہی ایسی رکھی تھی کہ اس کے منہ اور پیشاب گاہ کے سوراخ کو برقرار رکھ کر پیٹ کو خالی رکھا تھا اور یہ ایک عام سا اصول ہے کہ اگر آپ کسی چیز میں ایک بڑے سوراخ سے ہوا کو داخل کریں اور کسی چھوٹے سوراخ سے وہ ہوا باہر نکل جائے تو اس موقع پر سیٹی کی سی آواز نکلتی ہے لیکن وہ لوگ اس حقیقت تک رسائی حاصل نہ کرنے کی وجہ سے بچھڑے کی پوجا میں لگ گئے جسے ''تقابلِ ادیان'' کی اصطلاح میں ''عبادۃ الحیوان'' اور مستشرقین کی اصطلاح میں کوٹ ازم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

عبادۃ الاوثان کے اسباب

عبادۃ الاوثان یعنی بتوں کی پوجا اس طرح شروع نہیں ہوئی کہ پتھر یا کسی اور دھات کا کوئی مجسمہ تراشا اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہونا شروع کر دیا بلکہ اس کی ابتداء کا ایک خاص پس منظر ہے اور وہ یہ کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے جن کے نام قرآن کریم نے بھی محفوظ کیے ہیں:

﴿وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾ (سورہ نوح: ۲۳)

یہ پانچوں بڑے نیک اور صالح تھے، جب ان کی مدت عمر پوری ہوئی اور انہوں نے دنیا سے پردہ کیا تو لوگوں نے یہ سوچ کر کہ ہم ان کے مجسمے دیکھ دیکھ کر اپنے آپ کو تسلی دیا کریں گے اور عبادت میں مشغول رہنا آسان ہوگا، ان کے مجسمے بنا لئے، اگلی نسل کے ذہن سے یہ وجہ محو ہوگئی اور انہوں نے ان کی تعظیم سے لے کر عبادت کے ہر طریقے سے ان کی پرستش شروع کر دی اور بڑھتے بڑھتے یہ سلسلہ اتنا وسیع ہوا کہ خانہ کعبہ جو کہ مرکز توحید ہے، میں تین سو ساٹھ بت لا کر رکھ دیئے گئے کیونکہ قمری سال کے اعتبار سے ایک

سال کے تین سو ساٹھ دن ہی بنتے ہیں اس طرح ہر دن کا الگ بت تھا، جنہیں نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر خانہ کعبہ سے دور کیا۔

لیکن جب یہ بت پرستی انسان کے قلب وجگر میں راسخ ہو جائے تو اسے نکالنا انتہائی مشکل ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اتنا پھیلتا ہے کہ انسان انسانیت سے ماوراء نظر آنے لگتا ہے چنانچہ جدید تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہندوؤں کے یہاں ۳۳ کروڑ دیوتا اور بت ہیں جنہیں اگر ہندوؤں پر تقسیم کیا جائے تو فی ہندو ڈیڑھ بت آتا ہے یعنی معبود زیادہ اور عابد کم ہیں لیکن ذہنوں میں اس کے اثر ورسوخ کا یہ عالم ہے کہ گاندھی نے لکھا ہے کہ ہم میں اور مسلمانوں میں کیا فرق ہے؟ ہم کھڑا کر کے پوجتے ہیں اور یہ لٹا کر پوجتے ہیں چنانچہ آج کل درباروں اور مزاروں پر قبر پرستی اسی کا ثبوت ہے بالفاظ دیگر اسے اجداد پرستی بھی کہا جاسکتا ہے جس کا ذکر قرآنِ کریم نے ذیل کے الفاظ میں کیا ہے:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا﴾ (البقرة: ۱۷۰)

”جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں! بلکہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔“

آج اگر اس بات کو بیان کیا جائے تو لوگوں کی طرف سے یہ جملہ سننے کو ملتا ہے کہ یہ تو وہابی ہیں، ولیوں کو نہیں مانتے حالانکہ ہم ولیوں کو بھی مانتے ہیں اور ولیوں کی بھی مانتے ہیں لیکن ان سے مانگتے نہیں اس لئے کہ اگر ولیوں کو نہ مانا جائے تو پھر ایک حدیث قدسی میں ایک بڑی سخت وعید وارد ہوئی ہے:

﴿من عادى لى وليا فقد آذنته بالحرب﴾

”جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔“

اور اگر ولیوں سے مانگا جائے تو ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جانے والی آیت

''ایاک نعبد و ایاک نستعین'' کے خلاف ہوتا ہے اس لئے ہم اولیاء کرام کو تو مانتے ہیں لیکن ان سے مانگتے نہیں۔

مسلمانوں میں مظاہر پرستی

اس کی ایک سادہ سی مثال ''خاک شفاء'' ہے جسے لوگوں نے اتنا اٹھایا کہ وہاں گڑھے پڑ گئے اور سعودی حکومت کو وہاں فرش ڈلوانا پڑا، اسی طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے باغ میں آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں لگائے ہوئے درخت کے پتے حجاج کرام نے توڑ توڑ کر لانا شروع کر دیئے جس کی وجہ سے سعودی حکومت نے اس جگہ کو صاف کروا دیا۔ اسی طرح ایبٹ آباد کے قریب ''آب شفاء'' نامی ایک چشمہ موجود ہے کہ اس میں جو بیمار نہائے گا وہ تندرست ہو جائے گا کیونکہ شروع میں جلدی امراض کے کچھ مریض یہاں غسل کرنے سے تندرست ہو گئے تھے۔ بعد میں پیتھالوجی کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس چشمے کے پانی میں گندھک کے اثرات بہت زیادہ ہیں جو امراض جلد کے لئے بہت مفید ہے چونکہ یہ چشمہ ان پہاڑوں سے آ رہا ہے، جن میں گندھک بہت زیادہ ہے اس لئے جلد کی بیماری والے شخص کو شفاء ہو جاتی ہے۔

قبل از تاریخ مذاہب کی دریافت کا ذریعہ

موجودہ زمانے میں فن تحریر و طباعت اپنے تدریجی ارتقاء کی جس معراج پر پہنچا ہوا ہے آج سے صرف دو تین صدیاں قبل اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، اسی طرح تاریخ اور تاریخ دانی کا جو ذوق اب نظر آتا ہے قبل از تاریخ ہمیں انسانیت اس چیز سے کوسوں دور نظر آتی ہے، جس کی وجہ سے اس زمانے کے لوگوں کے مذاہب سے پردہ اٹھانا خاصا مشکل ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہمارے پاس اس کے دو ذریعے ہو سکتے ہیں لیکن ان سے بھی کسی حتمی نتیجے تک پہنچنا یقینی نہیں۔

(۱) عصر حاضر کے بنیادی مذاہب

ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے والا اپنے زمانے میں موجود مذاہب کے عقائد اور عبادات کا خوب سنجیدگی اور غور و فکر سے مطالعہ کر کے قبل از تاریخ مذاہب تک کچھ رسائی پا سکتا ہے لیکن اس کے لئے ان لوگوں کی زبان سیکھنا، ان کے رسم و رواج سے کامل طور پر شناسائی حاصل کرنا اور ہر طبقے کے لوگوں سے رابطہ رکھنا انتہائی ضروری ہے ورنہ معلومات ناقص رہتی ہیں۔

(۲) علم آثار قدیمہ

محکمہ آثار قدیمہ جو مختلف مقامات پر کھدائی اور کائنات کے سربستہ و گم گشتہ رازوں کو دریافت کرنے میں مشغول رہتا ہے اس کے ذریعے بھی قبل از تاریخ مذاہب پر کچھ حد تک اطلاع ہو سکتی ہے چنانچہ اس قسم کی حالیہ تحقیقات سامنے آنے پر بہت سے قبل از تاریخ واقعات و حقائق کے چہرے سے پردہ اٹھا ہے اور ابھی اس میدان میں مزید کام کی ضرورت باقی ہے۔

باب اول

ہندومت

ہندو مذہب تاریخ کے آئینے میں، عقائد و نظریات
کی روشنی میں، اپنی مقدس کتابوں اور تعلیمات
کے تناظر میں، اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب اوّل

﴿ہندومت﴾

مت اصل میں سنسکرت کا لفظ ہے جس کا معنی مذہب اور عقل ہوتا ہے چنانچہ اردو میں بھی یہ لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے کہ ''اس کی مت ماری گئی'' اور لفظ ''ہندو'' سنسکرت زبان ہی میں دریائے انڈس کے نام ''سندھو'' سے آیا ہے جو بعد میں بدل کر ''ہندو'' ہوگیا۔

ہندو مذہب کی تاریخ

ہندو قوم اور ہندو مذہب کی تاریخ کہیں بھی محفوظ نہیں ہے، خود ہندوستان میں رہنے والے ہندوؤں نے کبھی اپنی قدیم تاریخ پر قلم نہیں اٹھایا چنانچہ محققین نے لکھا ہے کہ ۱۲۰۰ ق م سے پہلے ہندوؤں کی کوئی تاریخ یا تاریخی کتاب محفوظ نہیں۔ مشہور فرانسیسی محقق ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے کہ ہندوؤں کی تین ہزار سالہ تہذیب وتمدن کی کئی ہزار جلدوں میں جو تاریخ حال ہی میں سامنے آئی ہے اب تک اس کا ایک تاریخی واقعہ بھی صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہوسکا۔

ہندوؤں کی تاریخ میں کسی بھی واقعے کو ثابت کرنے کے لئے بیرونی سہاروں سے کام لینا پڑتا ہے جس سے اس واقعے کی صحت اور عدم صحت کے متعلق فیصلہ کیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ہندوؤں کی ان تمام تاریخی کتب میں بیان کردہ ہر واقعہ حقیقت کے اعتبار سے غلط اور فطرت کے خلاف محسوس ہوتا ہے۔

پنڈت جواہر لعل نہرو اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ اہل چین، اہل یونان اور اہل عرب کے برعکس قدیم ہندوستان کے لوگ مؤرخ نہیں تھے اور یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے اور اسی نے یہ دشواری پیدا کردی ہے کہ ہم گذشتہ واقعات کا زمانہ اور تاریخ متعین نہیں کر

سکتے اور یہ واقعات آپس میں بہت متضاد ہیں، ہمارے پاس صرف ایک کتاب ایسی ہے جسے ہم تاریخی کتاب کہہ سکتے ہیں اور وہ ہے ''کشمیر کی تاریخ'' اس کتاب کے علاوہ باقی واقعات کے لئے ہمیں تصورات اور خیالات کی دنیا میں جانا پڑتا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستانی اپنی قدیم روایات ہی کو تاریخ تسلیم کرتے ہیں۔

ایک اور ہندو مؤرخ پر مانند لکھتا ہے۔

> ''ہندوستان میں ہندوؤں کے پاس جو تاریخی کتب موجود ہیں ان کے تین حصے ہیں۔(۱) زمانہء قدیم جو کہ بالکل نامکمل ہے اور اس میں جو حالات و واقعات ملتے ہیں، وہ شاعرانہ مبالغہ آرائی سے بھرے ہوئے ہیں۔'' الخ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مذہب کی قدیم تاریخ محفوظ نہیں ہے البتہ اتنی بات مسلم ہے اور خود ہندوؤں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ اقوام جو شرک میں مبتلا تھیں اور ان کے یہاں بت پرستی کا رواج تھا، اصلاً یہ چیزیں ہندوستان میں نہ تھیں بلکہ باہر سے ان لوگوں میں در آئی تھیں اور پھر بعد میں ان چیزوں نے ہندوؤں کے دل و دماغ پر اس طرح قبضہ کرلیا کہ اب وہ کسی طرح ان سے جدا نہیں ہوتیں۔

بابل، مصر اور بحیرۂ روم میں آباد بت پرست اقوام خاص طور پر بحیرۂ روم میں موجود ''دراوڑ'' اقوام کے متعلق ہڑپہ اور موہنجو ڈارو کی کھدائی سے حاصل ہونے والی معلومات کے ایک بہت بڑے حصے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ لوگ درختوں، جانوروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے جو بعد میں ہندوستانی تہذیب و مذہب کا حصہ بن گئی۔

ہندوستان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں آریہ قوم کی آمد

ماہرین آثار قدیمہ نے مختلف کھنڈرات کی جو کھدائی کی ہے اس کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مذہب باضابطہ طور پر ہندوستان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں اس وقت وجود میں آیا تھا جب کہ آریہ قوم کا یہاں ورود ہوا، اس سے پہلے باضابطہ اور باقاعدہ

طور پر ہندو مذہب کا یہاں کوئی وجود نہ تھا۔

رہی یہ بات کہ آریہ قوم جو ہندوستان میں آکر آباد ہوئی، اس کا اصل وطن کیا تھا؟ تو اس کے بارے مؤرخین کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ پروفیسر میکس ملر کے مطابق ان کا وطن ''وسط ایشیاء'' تھا، بال گنگا دھر تلک کی رائے میں ان کا وطن ''منطقہء باردہ'' تھا، بعض مؤرخین کے نزدیک ان کا وطن ''روس کے مشرقی علاقے'' تھے جب کہ بعض ہندوستانی مؤرخین کا کہنا ہے کہ آریہ قوم کے لوگ کہیں دور سے نہیں آئے تھے بلکہ ابتداء یہ کشمیر میں آباد تھے، جہاں سے بعد میں یہ سارے ہندوستان میں پھیل گئے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہندوستان، کشمیر کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا چنانچہ دبستان مذاہب کا مصنف لکھتا ہے:

> ''ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں جتنے بھی تیرتھ (مقدس مقامات) ہیں، ان میں سے ہر ایک تیرتھ کا قائمقام کشمیر میں موجود ہے اور کشمیر کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے تیرتھ پر جانے کی ضرورت نہیں مثلاً الہ آباد وغیرہ۔''

معلوم ہوا کہ کشمیر کے ساتھ ہندوستان کی اس وارفتگی اور عقیدت کی بنیاد ''مقامات مقدسہ'' ہیں اور اسی وجہ سے وہ کشمیر کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتا جبکہ لیوس مور کی رائے یہ ہے کہ آریہ قوم دراصل ''ایران'' سے آئی تھی کیونکہ ایران کا معنی ہے آریہ قوم کی سرزمین۔

آریاؤں کی آمد کا زمانہ

آریہ قوم کے وطن کے بارے جتنا شدید اختلاف ہے، اسے سامنے رکھ کر ہندوستان میں ان کی آمد کا زمانہ بھی متعین کرنا مشکل ہے چنانچہ مؤرخین نے بھی حتمی طور پر ان کی آمد کا زمانہ متعین نہیں کیا البتہ غالب گمان یہ ہے کہ یہ لوگ ۱۷۰۰ اور ۱۲۰۰ قبل مسیح کے درمیانی عرصے میں ہندوستان وارد ہوئے اور تاریخی روایات کے مطابق ہندوستان آکر ان لوگوں نے مقامی لوگوں کو جنوب مشرق کی طرف دھکیل کر خود اس علاقے پر قبضہ

کرلیا۔اسی بنا پر شمالی ہندوستان ''آریہ ورت'' کے نام سے مشہور ہے۔

آریہ قوم کا مختصر تعارف

مؤرخین کے نزدیک آریہ قوم کا دھرم اور مذہب ''وید'' ہیں جن میں ان کی مذہبی روایات اور ان کا تاریخی خزانہ محفوظ تھا لیکن وید کے مرتب ہونے کا زمانہ آریہ قوم کے ہندوستان میں آباد ہونے کے کافی عرصہ بعد کا ہے جب کہ آریہ قوم، مقامی لوگوں اور ان کے مذہب کا اثر قبول کر چکی تھی اس لئے ''وید'' میں صحیح مذہبی روایات کا ہونا بھی نا قابل تسلیم اور مشکوک ہو جاتا ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر آریہ قوم نے مقامی لوگوں اور ان کے مذہب کا اثر قبول کیا تھا تو کچھ اثر اپنا بھی ان لوگوں پر چھوڑا تھا اسی بناء پر یہ لوگ ہندوستان میں اس طرح مدغم ہو گئے کہ انہیں ہندوؤں سے الگ کرنا ممکن نہ رہا۔

ویدی ادب میں لکھے ہوئے حوالہ جات سے پتہ چلتا ہے کہ آریہ قوم کے لوگ بنیادی طور پر خانہ بدوش تھے اور ان کے سردارانِ قبائل کو ''راجہ'' کہا جاتا تھا، اس قوم کے لوگ بنیادی طور پر تین حصوں میں منقسم تھے۔

(۱) آریائی دیوتاؤں کے خدام اور پجاری انہیں ''برہمن'' کہا جاتا تھا۔

(۲) سردار اور جنگجو افراد انہیں ''کشتریہ'' کہا جاتا تھا۔

(۳) عام لوگ اور تاجر جو پہلے دونوں طبقوں کے خادم سمجھے جاتے تھے، انہیں ''ویش'' کہا جاتا تھا۔

ویدوں کے ابتدائی زمانے میں آریہ قوم توحید پر قائم تھی چنانچہ البیرونی نے اپنی مشہور کتاب ''تاریخ ہند'' میں لکھا ہے۔

> ''خدا کے متعلق ابتدائی زمانے میں ہندوؤں کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ واحد، غیر فانی ہے نہ اس کا کوئی آغاز ہے نہ انجام، وہ مختار مطلق اور قادر مطلق ہے، حیؒ محییؒ ہے، احکم الحاکمین اور رب ہے، اپنی سلطانی میں لاثانی ہے، نہ اس سے کوئی مشابہہ ہے اور نہ وہ کسی کے مشابہہ ہے۔''

اپنے اس ابتدائی دور سے گزرنے کے بعد آریہ قوم جب برصغیر میں داخل ہوئی تو اسے بت پرست قوم کی ثقافتوں سے واسطہ پڑا اور یوں آہستہ آہستہ اس قوم میں بھی بت پرستی اور مظاہر پرستی کا رواج عام ہو گیا جس سے ہندو دھرم یا ہندومت یا ہندو مذہب وجود میں آیا اور ویدوں کی روایات اور مقامی قدیم روایات ہندو مذہب کا حصہ بنتی چلی گئیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ تک جتنے بھی ادیان سماوی مروج رہے ہیں ان سب میں تین ایسے محکم اصول ہمیشہ مشترک رہے ہیں جو کبھی تبدیل نہیں ہوئے۔ (۱) توحید (۲) رسالت (۳) قیامت۔ لیکن ہندوان تینوں سے بالاتر ہو کر آریہ قوم کی طرح اپنے آپ کو اہل کتاب میں مدغم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، چنانچہ آج کل ہندوؤں نے اپنی ویب سائٹ پر ایسے پروگرام شروع کر رکھے ہیں جن میں وہ ایک ہندو لڑکے کی مسلمان لڑکی کے ساتھ شادی کرتے ہوئے دکھاتے ہیں اور دلیل میں قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلاً﴾ (النحل: ٣٦)

''ہم نے ہر قوم میں انہیں میں کا ایک شخص پیغمبر بنا کر بھیجا۔''

اور اس سے ان کا مقصد اپنے آپ کو اہل کتاب باور کروانا ہوتا ہے کہ جیسے دیگر اہل کتاب سے نکاح جائز ہے اسی طرح ہندوؤں کے ساتھ بھی جائز ہے، قابل غور بات یہ ہے کہ جس طرح آریہ قوم نے اپنے آپ کو ہندوؤں میں مدغم کر دیا تھا، کہیں اسی طرح ہندو بھی تو اپنے آپ کو مدغم نہیں کر رہے؟ اس مقصد کے لئے ہمیں اپنی تقریبات اور مختلف تہواروں کا جائزہ لینا ہوگا کہ شادی بیاہ کے موقع پر مہندی، جہیز اور بارات اور دیگر تہواروں میں دَر آنے والی تہذیب کہاں سے آئی؟ کہیں یہ وہی ہندوانہ رسمیں تو نہیں جو ہندوؤں کے ساتھ ایک طویل عرصہ گزارنے کی وجہ سے ہم لوگوں میں آ گئیں؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً ہے تو یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

آریہ قوم کو آریہ کہنے کی وجہ

اصل میں آریہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے بندگی کرنا، عبادت گزار

ہونا، چونکہ اس قوم کے ابتدائی افراد عبادت و ریاضت میں بہت آگے تھے اس لئے انہیں آریہ کہا جانے لگا جب کہ ''مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا'' میں لیوس مور اس کا ترجمہ عالی مرتبہ، معزز افراد لکھتا ہے جس کا اطلاق مہاجرین کے اس گروہ پر ہوتا ہے جو دوسری صدی قبل مسیح میں ایران سے سندھ وارد ہوئے۔

ہندو مذہب کا بانی

دنیا میں جتنے بھی بڑے اور قابل ذکر مذاہب ہیں ان کا کوئی نہ کوئی بانی ضرور ہے اور وہ کسی شخصیت کی طرف اپنا انتساب کرتے رہے ہیں لیکن ہندو مذہب ایک ایسا مذہب ہے جس کا بانی نامعلوم ہے اور کوئی ہندو بھی اس کے متعلق دعویٰ نہیں کرسکتا کہ مجھے اپنے مذہب کا بانی معلوم ہے گو کہ ہندوؤں کی تاریخی کتابوں میں بعض مذہبی شخصیات کا حوالہ ملتا ہے لیکن ان میں سے ایک شخصیت بھی ایسی نہیں جس کی تعلیمات بعد کی ہندو فکر کا سرچشمہ بنی ہوں اور کامل یقین کے ساتھ کسی بھی شخص کو ہندو مذہب کا موسس اور بانی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہندو مذہب کی تاریخی کتابوں کی حیثیت

ہندوؤں نے اپنی قدیم روایات کو محفوظ رکھنے کے لئے تاریخی کتب کی طرف بھی توجہ کی ہے لیکن ہندو مذہب کے بانی کی طرح اس کے مصنفین بھی نامعلوم ہیں کیونکہ ہندوؤں کے مذہبی نظام کو تشکیل دینے میں بے شمار افراد کا حصہ ہے جن کی تعیین اب تک نہیں ہوسکی اس لئے ان کی قدیم تاریخی کتب کے مصنفین کے بارے بھی کچھ پتہ نہ چل سکا کہ وہ کون تھے اور ان کی سوانح عمری کی کیا تفصیلات ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کی قدیم کتابوں میں کسی عقیدے، مذہبی قانون یا شعائر و رسوم میں آپ کو کبھی بھی یکسانیت نظر نہیں آئے گی حتیٰ کہ خود ہندوؤں کے پنڈت اپنے مذہب کو ایک گنجان جنگل کی طرح سمجھتے ہیں جس میں عبادت کے مختلف طریقے، ہزاروں راستے اور کروڑہا معبود ہیں لیکن منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے ایک بھی کارآمد نہیں۔

ہندوؤں کا ایک مشترکہ عقیدہ

ہندو مذہب کے عقائد اور نظریات میں یکسانیت اور توازن نہ ہونے کے باوجود ''تناسخ وحلول'' کا عقیدہ ایسا ہے جو تمام ہندوؤں میں مشترکہ طور پر مسلم ہے۔ ہندی زبان میں اسے ''آواگون'' کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد ایک دوسرے روپ میں نیا جنم لیتا ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ ہندوؤں کی قدیم ویدوں میں آواگون کا عقیدہ موجود نہیں اور قدیم زمانے میں ہندو اپنی مادی زندگی کے بارے یہ عقیدہ رکھتے تھے (جو کہ دراصل آریاؤں کا عقیدہ تھا) کہ موت کے بعد دنیاوی زندگی ختم ہوکر زندگی کا ایک دوسرا سلسلہ دائمی طور پر جاری رہے گا اور ان کا خیال یہ تھا کہ اگر انسان نیک ہو تو موت کے بعد وہ جنت میں داخل ہوگا اور اگر گناہگار ہو تو اسے دوزخ کے مصائب بھگتنا پڑیں گے لیکن بعد میں آہستہ آہستہ آریاؤں کے اس عقیدے کو ''ہمہ اوستی'' نظریے نے تناسخ یا آواگون میں تبدیل کر دیا۔

ہمہ اوستی نظریہ کیا ہے؟

ہندو مذہب میں دیوتاؤں اور معبودوں کی اتنی کثرت کی بنیادی اہم وجہ ''ہمہ اوستی نظریہ'' ہے جس کا لفظی معنی ہے ''سب کچھ وہی ہے'' ہندو مذہب میں اس عقیدے اور نظریئے کا مطلب بیان کرتے ہوئے محترم جناب مظہر الدین صدیقی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

> ''ہمہ ہوستی عقیدہ یہ ہے کہ تمام دیوتا اور دیویاں اور سارے مظاہر فطرت مثلاً ہوا، آگ، پانی، دریا، زلزلے اور وبائیں ایک واحد قوت حیات کے مختلف ظہوروں کا نتیجہ ہیں، خود انسان ایک طرف ہے جس میں یہ قوت حیات رواں دواں ہے، فطرت اور خدا ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں اس لئے فطرت ذی حیات یا بے جان فطرت کی پرستش خدا کی پرستش ہے۔'' (اسلام اور مذاہب عالم ص ۲)

یہ ہمہ اوستی نظریہ ہی ہے جس کی وجہ سے آج ہندو پیپل کے درخت کو سجدہ کرتا ہے کہ اس درخت میں خدا موجود ہے اور میں اسی کو سجدہ کر رہا ہوں اور مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ تم بھی تو حجر اسود کو پوجتے اور چومتے ہو؟ اس کا جواب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں ملے گا کہ اے حجر اسود! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نفع نقصان کچھ بھی تیرے اختیار میں نہیں، اگر میں نے حضور ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ ظاہر ہے کہ ''معبود'' کو انسان ایسا جملہ نہیں کہہ سکتا۔

موجودہ ہندوؤں کا عقیدہ آواگون

ہندوؤں کے موجودہ عقائد یہ رخ اختیار کر گئے ہیں کہ موت کے بعد ایک نئی ارضی اور زمینی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جس میں انسان کو اپنے گذشتہ جنم کے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہے گا، اگر پہلے جنم میں اچھے کام کیے ہوں گے تو اگلا جنم اچھی شکل وصورت میں ہی ہوگا ورنہ اس سے بھی بری زندگی کا آغاز ہوگا اور اس عقیدے کے مطابق ضروری نہیں ہے کہ انسان کا اگلا جنم انسان ہی کی صورت میں ہو بلکہ وہ کسی جانور، پرندے، درخت، پھل اور پھول یا پودے وغیرہ کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے اور اسی عقیدے نے ہندوؤں میں ''تقدیر پرستی'' کا روگ پیدا کیا ہے کیونکہ جب یہ بات طے شدہ ہے کہ انسان کی قسمت اس کے گذشتہ جنم کے اعمال سے متعین ہوگی اور ہزار کوششوں کے باوجود بھی وہ تبدیل نہیں ہوسکتی تو پھر وہ کیونکر مرد میدان اور باہمت، پرعزم اور حوصلہ مند انسان کا کردار ادا کرسکتا ہے۔

ہندوؤں کی مذہبی کتابیں

ہندوؤں کی وہ کتابیں جو آریہ مذہب سے تعلق رکھتی ہیں یعنی قدیم ترین تاریخی کتابیں، انہیں ''وِید'' کہا جاتا ہے اور موجودہ ہندوؤں کے پاس جو کتابیں ہیں انہیں ''پران'' (Puran) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور موجودہ ہندو مذہب کی بنیاد یہی

کتابیں ہیں لیکن ان میں اکثر و بیشتر مواد تخلیق عالم کے افسانوں اور من گھڑت قصوں پر مشتمل ہے چنانچہ بھاگوت جو ہندوؤں کی معتبر تاریخی کتاب ہے اس کے حوالے سے دبستان مذاہب کے مصنف نے لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ''پراکرت'' (فطرت) کے جسم پر ''ہستی'' کا لباس رکھا، پھر چودہ بھون (تخلیقی اشکال) کو ظاہر کیا''

الخ (دبستان مذاہب ص ۱۴۷)

ہندوؤں کے معبود

قبل ازیں یہ بات ابتداء ہی میں معلوم ہو چکی ہے کہ آریائی ہندو زمانہ قدیم میں ایک خدا کی پرستش کے قائل تھے جسے ان کی بعض قدیم کتابوں میں ''ایشور'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے لیکن دور جدید کے ہندو تثلیث یعنی تین خداؤں کو ماننے کے قائل ہیں۔

(۱) بَرَہما (۲) وِشنو (۳) شِیو

ان تینوں کو ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں ''تری مورتی'' کا نام دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ آج کل ہندو اس تثلیث کو ''تکڈم'' بھی کہتے ہیں، اس اعتبار سے تثلیث، تری مورتی اور تکڈم آپس میں مترادف الفاظ ہیں۔ کچھ عرصے تک تو ہندو اسی تثلیث کے عقیدے پر قائم رہے بعد میں ان کے یہاں دیوتاؤں کا ایک ایسا لامتناہی اور غیر مختتم سلسلہ شروع ہوا کہ خود ہندوؤں کی تعداد کم پڑ گئی اور ان کے دیوتاؤں کی تعداد ان سے بھی بڑھ گئی۔

برہما

ہندو عقیدے کے مطابق برہما اس عالم کا خالق ہے جس نے عالم کو عدم کے کٹہرے سے نکال کر وجود کے دائرے میں داخل کیا۔ ہندوؤں کے یہاں برہما کا تصور صرف اتنا ہے کہ وہ کائنات کے لئے ایک نقطہ آغاز کی حیثیت رکھتا ہے اور بس، نظام عالم کے متحرک ہونے کے بعد برہما کا اس عالم سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا اس لئے ہندوؤں

میں اس کی عبادت تقریباً معدوم ہے، تاہم خالق کائنات ہونے کے طور پر اس کا احترام اب بھی بہت زیادہ کیا جاتا ہے، پورے ہندوستان میں اس کے لئے صرف دو معبد مخصوص ہیں، ہندوستانی آرٹ میں ''برہما'' کو چار باریش چہروں اور چار بازوؤں کے ساتھ سرخ رنگ میں دکھایا جاتا ہے۔ ایک ہاتھ میں چمچہ، دوسرے میں لوٹا، تیسرے میں تسبیح اور چوتھے میں وید ہیں، اور اسے ''راج ہنس'' پر سوار دکھایا جاتا ہے۔ اس کی بیوی ''فنون لطیفہ کی دیوی'' کہلاتی ہے۔

وشنو

موجودہ ہندوؤں کے یہاں اصل معبود دو ہی ہیں۔ (۱) وشنو (۲) شیو۔

اور ان میں سے بھی وشنو کی اہمیت زیادہ ہے کیونکہ یہ اشیاء کی بقاء اور حفاظت کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے اور اس کی مرکزی خصوصیت، انسانیت کے ساتھ اس کا تعلق شمار ہوتی ہے، اور اس کی بیوی ''لکشمی'' (جس کے نام پر لکشمی چوک مشہور ہے) دولت اور عیش و عشرت کی نمائندہ ہے۔

ہندوؤں کے یہاں الوہیت کی یہ ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ ان کا الٰہ (معبود) حرکت کے بجائے سکون کا مظہر ہوتا ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ انسانی دعاؤں اور عبادتوں کی بدولت وشنو کو حرکت میں لایا جاسکے اور مختلف اہم مراحل پر اسے مادی دنیا میں نزول پر آمادہ کیا جاسکے لیکن مادی دنیا میں معبود کا آنا ''حلول'' کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ کسی نیک انسان کی شکل میں آکر غمزدہ افراد کی فریادرسی کرے۔

چنانچہ ہندوؤں کے دو مشہور معبود رام اور کرشن اسی وشنو کے ''اوتار'' سمجھے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ وہی ''رام'' ہے جس کی وجہ سے ''بابری مسجد'' کا جھگڑا چلا آرہا ہے، ہندو اسے ''رام'' کی جائے پیدائش قرار دے کر مقدس سمجھتے ہیں اور یہاں ''مندر'' تعمیر کرنا چاہتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ ''بابری مسجد'' کی تعمیر سے قبل یہاں ایک ''رام مندر'' موجود تھا جسے گرا کر مسلمانوں نے مسجد تعمیر کی ہے حالانکہ جدید ترین تحقیقات سے یہ بات پایہء ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ''بابری مسجد'' کی جگہ پہلے ''رام مندر'' ہرگز نہیں تھا۔ بہرحال!

وشنو بڑا معبود تھا اور اس نے رام اور کرشن جو آدمیوں کے نام تھے، میں خود کو مجسم کر لیا تھا اور یہ حلول انسانی شکل وصورت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جانوروں اور پودوں وغیرہ کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے، اس عقیدے کی بناء پر ایک ہندو کے لئے اپنے معبود کو دنیاوی واقعات میں ڈھال کر لے آنا کچھ مشکل نہیں رہتا۔ وشنو کے بھی چار ہاتھ ہیں، پہلے ہاتھ میں سنکھ (بڑا باجا) دوسرے میں گرز، تیسرے میں چکر اور چوتھے میں کنول کا پھول ہوتا ہے اور یہ انسان اور پرندے سے مرکب ایک جانور پر سوار ہوتا ہے۔

شیو

ہندوؤں کے یہاں اسے ''وشنو'' کی ضد سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ زندگی کی پرانی صورتوں کو مٹاتا ہے، تعمیر وتخریب کی تمام قوتوں کا مالک ہے، ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارتا اور ہزاروں کو جنم دیتا ہے، ہزاروں جانور اس کے نام پر قربان کئے جاتے ہیں، ہندو عابد بڑی ریاضتیں اور نفس کشی کر کے رہبانیت کے مدارج طے کرتے ہیں اور اس طرح شیو کا تقرب حاصل کرتے ہیں چنانچہ ہندوستان کے اکثر سنیاسی (فقیر) اور درویش اسی کے پرستار تھے، اس کی پیشانی پر ایک تیسری آنکھ بھی ہوتی ہے جسے ''ترلوچن'' کہتے ہیں۔

شیو کی سب سے اہم علامت ''ترشول'' ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر جوگی ترشول اٹھائے ہوئے یا اپنے چہروں پر ترشول کی تصویر بنائے ہوئے نظر آتے ہیں، شیو کی بیویوں میں ''کالی'' سب سے زیادہ اہمیت اور مقبولیت کی حامی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ شیو سے بھی زیادہ خطرناک اور ہیبت ناک ہے چنانچہ بارہا اسے انسانی کھوپڑی کا گلوبند پہنے، شکار کے گوشت کو پھاڑتے ہوئے اور خون پیتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

گاؤ ماتا

ہندو مذہب وثقافت کی بنیاد ''گائے بیل کی پرستش اور اس کی عظمت کا اقرار'' ہے چنانچہ ہندوؤں کی قدیم کتابوں (ویدوں) اور جدید پرانوں میں بھی گائے کی پرستش

اور اس کی تعظیم کا ذکر موجود ہے جس کی وجہ سے ہندو معاشرے میں گائے کو ایک ''دیوتا'' کی حیثیت حاصل ہے بلکہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں تو گائے کے متعلق یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ ''سارا جہاں اور کل دیوتا گائے ہی کا سراپا ہیں'' اور اُتھر وید میں لکھا ہے کہ یہ بیل ہی ہے جس نے آسمان وزمین کو اپنے سر پر اٹھا رکھا ہے، اسی سے لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب بیل اپنا سینگ بدلتا ہے تو زمین میں زلزلہ آتا ہے۔ بعض لوگ آکر دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ حدیث ہے؟ سو اس کا جواب بھی واضح ہو گیا کہ یہ تو ایک ہندوانہ نظریہ ہے۔

میڈیا کی وجہ سے مسلمان ہندو ثقافت سے انتہائی متاثر ہو رہے ہیں کیونکہ میڈیا آج کل تین طاقتوں کے ہاتھ کا کھلونا بنا ہوا ہے۔

(۱) ہندو (۲) یہودی (۳) عیسائی

اور چونکہ یہ تینوں طاقتیں آخرت کے تصور کو بالکل بھلا چکی ہیں اور ان کے ذہنوں میں اب آخرت کا کوئی تصور باقی ہی نہیں رہا اس لئے وہ بے دریغ اسی ذہنیت کو پھیلا رہی ہیں، ہمارا آج کا مسلم نوجوان اس چیز پر توجہ کئے بغیر ان کے دام فریب کا شکار اور عقیدۂ آخرت سے دستبردار ہوتا جا رہا ہے۔

بہر حال! بات دور نکل گئی۔ گائے پرستی ہندوؤں میں بڑھتی جا رہی ہے اور قدیم وجدید دور میں اس کا اثر اتنا وسیع ہوتا جا رہا ہے کہ ہندو اسے مقدس سمجھ کر اس کے گوبر کے ذرے چن کر کھاتے ہیں، اس کے گوبر کا پانی نچوڑ کر پیتے ہیں جیسا کہ ہندوؤں کی کتاب مہابھارت میں موجود ہے۔

اسی طرح ہندو مذہب کی ایک اور مقدس کتاب ''منوسمرتی'' میں ہے کہ گائے کا گوبر اور پیشاب گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے، مہاتما گاندھی کا اب بھی کہنا ہے کہ ہندوستان میں جب تک ایک گائے بھی ذبح ہوتی رہے گی اس وقت تک ملک کو حقیقی معنی میں آزاد تصور نہیں کیا جا سکتا اور سوامی دیانند نے لکھا ہے کہ گائے ذبح کرنے کے جرم میں ہزاروں لاکھوں انسانوں کو ذبح کرنا چاہئے تا کہ گائے کو خوش کیا جا سکے۔

یہ تصور مسلمانوں کے ذہنوں میں بھی آہستہ آہستہ لاشعوری طور پر آتا جارہا ہے اور وہ گائے کا گوشت کھانے سے پرہیز کرنے لگے ہیں اور ان کی اولین ترجیح چھوٹے گوشت کو حاصل ہوتی جارہی ہے، ذہنیت کے اس معیار کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

گاؤ ماتا کے متعلق ایک انوکھا حکم

گائے چونکہ ایک مقدس جانور ہے اس لئے ہندو اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ شُودروں (نچلی ذات کے ہندوؤں) کے پاس گائے ہو بلکہ ویدوں میں یہ حکم صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ اگر گائے شودروں کے پاس ہو تو ان سے اسے چھین لیا جائے۔

فائدہ

ہندوؤں نے خود ہی اپنے آپ کو چار ذاتوں میں تقسیم کر رکھا ہے، سب سے اونچی ذات ''بَرَہْمَنْ'' ہے، اس کے بعد ''کھشترِی''، اس کے بعد ''وِیش'' اور سب سے آخر میں ''شُوْدَرْ'' کا درجہ ہے اور ذات پات کی یہ تفریق ہندوستان میں آج بھی اس حد تک موجود ہے کہ اسٹیشن پر موجود ٹھنڈے پانی کی لگی ٹونٹیوں پر ''برائے برہمن، برائے شودر'' کی تفریقی علامات لکھی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لئے ایک دوسرے کا پانی پینا بھی حرام ہے اور باہمی نکاح و تجارت بھی حرام ہے۔

چونکہ شودر وہاں بڑی تنگی کی زندگی گزار رہے ہیں، خود ہندو بھی انہیں انسان سمجھنے کے لئے تیار نہیں اس لئے انہیں اسلام کی طرف رغبت پیدا ہو رہی ہے لیکن غربت ان کی راہ میں حائل ہے جس کا فوری حل یہ ہے کہ انہیں اپنی سالانہ زکوٰۃ کے ذریعے مالی امداد بہم پہنچائی جائے تاکہ یہ اسلام خوش دلی سے قبول کر سکیں اور انہیں ''مؤلفۃ القلوب'' قرار دیا جائے تو اس صورت میں یہ مصارف زکوۃ کی آیت قرآنی کا مصداق بھی بن سکیں گے۔

ہندوؤں کی مقدس کتابیں

ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں وید، پُران، مہابھارت، گیتا اور رامائن وغیرہ

کے نام آتے ہیں جن کی مختصر سی وضاحت ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

وید:

لفظ ''وید'' کا مصدر ''وِدْ'' ہے جس کا معنی ہے عقل، جاننا، سوچنا سمجھنا، غور وفکر کرنا، موجود ہونا اور حاصل کرنا وغیرہ۔ ''وید'' کا لفظ خود ''ویدوں'' میں استعمال نہیں کیا گیا بلکہ تقریباً دو ہزار سال کے عرصے میں ہندوؤں نے علوم اور رسوم سے متعلق جو مواد جمع کیا اسے ''وید'' کا نام دے دیا گیا، بعد کے تمام ہندو مصنفین انہی کا حوالہ دیتے اور مستند سمجھتے رہے ہیں۔

ویدوں کی ترتیب وتشکیل آریہ قوم کے ہندوستان میں آنے کے بعد ہوئی لیکن اس کے لکھے جانے کے قطعی دور کے بارے مؤرخین کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس کے ابتدائی بھجن دو ہزار قبل مسیح میں خوب عروج پر تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس سے پہلے معرض تحریر میں آچکے تھے اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ویدی ادب کا بہت سا حصہ پندرہ سو تا چار سو قبل مسیح میں معرض تحریر میں آیا۔ تاہم بنیادی ویدیں ''چار'' ہیں۔

(۱) رَگ وید:

اس وید میں دس ہزار منتر یا مناجاتی گیت ہیں، یہ وید مکمل طور پر نظم میں ہے جس میں ہندوؤں کے خداؤں کی تعریف اور بزرگی سے متعلق گیت جمع کئے گئے ہیں اور دیوتاؤں کو مخاطب کر کے ان سے دعائیں مانگی گئی ہیں۔ یاد رہے کہ رگ وید باقی تمام ویدوں میں سب سے پرانا ہے۔

(۲) یَجُر وید:

یجر وید کا معنی ہے رسومات کا علم، یہ وید مکمل طور پر رگ وید سے ماخوذ ہے اور اسے قربانی کے موقع پر گایا جاتا ہے۔

(۳) سام وید:

اس وید میں صرف راگ اور گیت ہیں جو پروہتوں کی طرف سے قربانی پر پڑھے جاتے ہیں، اس کے کئی منتر رگ وید سے ماخوذ ہیں، تاہم تاریخی طور پر اس وید کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

(۴) اَتھر وید:

اس وید میں چھ ہزار منتر یا مناجاتی گیت ہیں، تقریباً ایک ہزار دوسو منتر رگ وید سے ماخوذ ہیں، یہ وید تقریباً نصف حصے میں نثر پر مشتمل ہے اور اس کا زیادہ تر حصہ جادو اور خیالی باتوں سے متعلق ہے اور یہی وہ وید ہے جس میں نظریہء ہمہ اوست کی تعلیم موجود ہے۔

یاد رہے کہ اتھر وید کا معنی ہے ''رشی اتھرو کی طرف سے دیا جانے والا علم'' رگ وید کے بعد اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور اس میں دیوتاؤں کے لئے ادا کی جانے والی مقبول عبادتوں میں استعمال ہونے والی رسومات کا ذکر بھی ملتا ہے۔

ویدی کتب کے حصے:

ویدی کتب میں سے ہر ایک کے چار حصے ہوتے ہیں۔

(۱) دیوتاؤں کے لئے مناجاتی گیت اور منتروں کا حصہ۔

(۲) رسوماتی مواد جس میں قربانی وغیرہ کرنے کے مناسب طریقے اور رسومات ہدایت کی گئی ہیں۔

(۳) آرنیک یعنی سنیاسیوں کے لئے ہدایت نامہ۔

(۴) اُپ نشد۔ اس کی مکمل وضاحت عنقریب آیا چاہتی ہے۔

ویدوں پر تبصرہ:

ویدوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ویدیں تبدیلی اور تحریف سے پاک

نہیں ہیں، خود ہندو مذہب کے راہنماؤں کا اعتراف ہے کہ موجودہ ویدیں الہامی نہیں ہیں۔

ہندو مذہب میں ان ویدوں کے شاعر کو ''رشی'' کہا جاتا ہے لیکن ''رشی'' کی جو تعریف ہندو مذہب میں کی جاتی ہے وہ ''رسول'' کی تعریف سے ملتی جلتی نہیں ہے اسی لئے ہندو مذہب میں ''رشی'' کو اسلام کی طرح رسول یا نبی قرار نہیں دیا جاتا۔

گانا ہندو مذہب کا حصہ

چونکہ ویدیں مناجاتی گیتوں پر مشتمل ہوتی ہیں اس لئے گانا ان کے مذہب کا حصہ ہے اور اس سے وہ اپنے سامعین کو سامانِ تفریح فراہم نہیں کرتے بلکہ عبادت سمجھ کر ایک مقدس مقصد اور فریضے کو ادا کرتے ہیں لیکن مسلمان اس چیز سے بالکل بے خبر ہیں انہیں اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ ہندوؤں کا ہر گیت اور گانا ان ویدوں کے مطابق ہوتا ہے اور ہر گیت میں ان کا مذہبی پیغام ضرور ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہندو اسے مقدس کام سمجھتے ہیں اور جب امیر خسرو نے اسلامی تعلیمات کو گیتوں کی صورت میں ہندوؤں کے سامنے پیش کیا تو بہت سارے ہندو انہیں سن کر ہی مسلمان ہو گئے۔

بعد میں اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ لوگوں نے گیتوں کے ذریعے مذہبی پیغام پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھا جو آج کل ''قوالی'' کی صورت میں موجود ہے لیکن اس طرح اسلام کا کوئی اصول نہیں بن سکتا، اس لئے قوالی کو جزو شریعت قرار دینا قرین انصاف نہیں ہے چنانچہ خود حضرت سید علی ہجویریؒ نے اپنی مشہور کتاب ''کشف المحجوب'' میں ایک باب کے تحت قوالی کے جواز کی کچھ شرائط تحریر فرمائی ہیں جو بدقسمتی سے آج کل کسی بھی قوالی میں نہیں پائی جاتیں اس لئے قوالی کا جواز بھی باقی نہ رہا۔

موجودہ معاشرے کی بھیانک تصویر

آج ہمارے معاشرے میں ''قوالی'' کو بھی ایک مقدس عبادت سمجھ کر ادا کیا جاتا ہے، مزارات اور درباروں کو چھوڑ کر اب اس کا سلسلہ مساجد تک وسیع ہو گیا ہے اور گذشتہ

پانچ سالوں میں یہ چیز اتنی پھیلی ہے کہ ''نعت'' کو دف کے ساتھ پڑھنے کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا، قرآن کریم کو ساز کے ساتھ پڑھنے کی وبا اتنی پھیلی کہ آج بازار میں اس کی کیسٹیں بک رہی ہیں، اور ہندو ذہنیت سے متاثر افراد نے ''اسلام اور موسیقی'' کے نام پر کتابیں لکھنا شروع کر دیں جس کی وجہ سے پاکستان میں بھی آہستہ آہستہ ہندو ذہنیت اپنا اثر دکھانے لگی، پہلے دف، پھر ساز اور پھر موسیقی اور گانا مسلمانوں میں رواج پاتے چلے گئے۔ (اعاذنا اللہ)

اُپ نِشد

ہندوؤں کے نزدیک ویدوں کے بعد دوسرے درجے کی کتابیں ''اُپ نشد'' ہیں بلکہ بعض ہندوؤں کے نزدیک تو ان کا درجہ ''ویدوں'' سے بھی بڑھا ہوا ہے، دراصل ''اپ نشد'' کا معنی ہے کسی کے قریب بیٹھنا، زمانہ قدیم میں ہندوؤں کے ذہین شاگرد جب معلم کے قریب جا کر بیٹھتے تو وہ ان کے سامنے زندگی کے فلسفے بیان کرتا اور انہیں کائنات کے رازہائے سربستہ سے واقف کرتا، بعد میں انہیں کتابی شکل دے دی گئی اور وہ ''اپ نشد'' کے نام سے مشہور ہو گئیں۔

''اپ نشد'' کا بنیادی موضوع روح، خدا اور نیچر (فطرت) ہے اور اس کی تعلیمات کے مطابق خدا ''شخصی'' بھی ہو سکتا ہے اور ''غیر شخصی'' بھی، شخصی ہونے کی صورت میں وہ کائنات کا مالک و حاکم اور اسے تباہ و برباد کرنے والا ہوتا ہے، دنیا میں بسنے والے تمام افراد کی قسمت اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اچھے کام کرنے والوں کو وہ جزا اور برے کام کرنے والوں کو سزا دیتا ہے، یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ''اپ نشد'' کے مطابق خدا کسی خارجی مادے سے دنیا کو نہیں پیدا کرتا بلکہ اپنے اندر سے پیدا کرتا ہے۔

غیر شخصی ہونے کی صورت میں ''اپ نشد'' نے خدا کی تصویر کشی یوں کی ہے۔

> ''نہ وہ قلیل ہے اور نہ کثیر، نہ قصیر ہے اور نہ طویل، آگ کی طرح سرخ ہے اور نہ پانی کی طرح مائع، اس تاریکی میں وہ بغیر ذائقے

اور بغیر آنکھوں، بغیر سماع، بغیر دماغ اور بغیر سانس کے ظاہر و باطن
میں موجود ہے۔''

''اپ نشد'' کا پہلا سبق یہ ہے کہ انسان کا ذہن محدود ہے لیکن آتما (روح الارواح) کے ذریعے وہ حقیقت کو پا سکتا ہے البتہ اس حقیقت کو پانے کے لیے ''مراقبہ'' ضروری ہے جسے ہندو ''یوگا'' کہتے ہیں اور یہ دیوتاؤں کے لئے بھی ضروری ہوتا ہے، مراقبے کی حالت میں انسان کی روح آتما کو سمجھتی ہے کیونکہ وہ خود اس آتما کا جزو ہوتی ہے اور بالآخر انسان کی شخصیت فناء ہو جاتی ہے۔

یوگا کی حقیقت اور پاکستان میں اس کے اشتہارات

اصل میں یہ ایک پورا نظام فکر ہے جسے ''یوگ نظام فکر'' کہا جاتا ہے، لفظ یوگ درحقیقت ''یوج'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے جوتنا، شامل کرنا، اس کا موجودہ فلسفہ ''رشی'' کے ذریعے ترقی پذیر ہوا جس کا دور دوسو قبل مسیح اور پانچ سو عیسوی کے درمیان تھا۔ اس کا بنیادی نعرہ ''روح کی تسکین'' ہے اور اب پاکستان میں بھی ''یوگا'' کے اشتہارات دیکھے جا سکتے ہیں کہ اپنا جسم ہلکا کروائیں، اولاد نہ ہونے کی صورت میں یوگا سے علاج کروائیں، سکون حاصل کریں، مسلمان ان پرکشش نعروں سے متاثر ہو کر ہزاروں روپے لگا کر اپنا علاج کرواتے ہیں بلکہ اگر زیادہ صحیح الفاظ میں کہا جائے تو سب سے پہلے اپنے ایمان کا سودا کرتے ہیں اس کے بعد بیماری کا سودا ہوتا ہے اس لئے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ''یوگا'' ہندوؤں کا مذہبی شعار ہے اور ان کی مذہبی عبادت بھی، اس لئے اس طریقے کے مطابق علاج کروانا جائز نہیں۔

''اپ نشد'' کی تعلیمات اور اس کے مضامین

اپ نشد کی تعلیمات کے مطابق نجات کا ذریعہ ''ریاضت'' ہے اور یہ کہ مجاہدات کے ذریعے تمام خواہشات نفسانی کو کچل کر اپنی آتما (روح) کو کائنات میں مدغم کیا جا سکتا ہے۔

اپ نشد بھی نامعلوم افراد کی تصنیف ہے، عام طور پر اپ نشدوں کو ہندو تصوف اور فلسفے کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اور اس میں قدیم فلسفیانہ مباحث ملتی ہیں جو بعد کے تمام ہندو فلسفے کی بنیاد بنیں، اپ نشد میں موجود مقالہ جات کی تعداد تقریباً دو سو ہے جن میں سے چودہ مقالے ایسے ہیں جو بنیادی اہمیت کے حامل ہیں لیکن اپنی پیچیدہ اور مشکل مباحث کی وجہ سے عوام کے لیے ان سے استفادہ کرنا خاصا دشوار ہے البتہ ہندوستانی دانشوروں میں انہیں خوب مقبولیت حاصل رہی ہے اور اس کی تصنیف کا زمانہ ہندوؤں کے مطابق ۸۰۰ ق م ہے۔

اپ نشد کی بنیادی تعلیمات میں وحدت الوجود، گیان دھیان اور تناسخ (آواگون) جیسی چیزیں شامل ہیں اور اس میں نجات کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں جو انشاءاللہ عنقریب تفصیل کے ساتھ بیان ہوں گے۔

فائدہ:

یاد رہے کہ ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے کوئی بھی شخص مخصوص کیفیات حاصل کر سکتا ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا ہندو، البتہ فرق یہ ہوگا کہ مسلمان سے صادر ہونے پر اسے ''کرامت'' اور غیر مسلم سے صادر ہونے پر اسے ''استدراج'' کا نام دیا جاتا ہے جو کہ اللہ کی طرف سے ایک ڈھیل ہوتی ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی سوانح عمری لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ عمر کے آخری ایام میں حضرت پر غشی طاری ہو جایا کرتی تھی، بہت علاج معالجہ کیا لیکن مکمل طور پر افاقہ نہ ہوتا، اس زمانے میں ایک ہندو غشی کے دوروں کا دم کرتا تھا، لوگوں نے حضرت کو بھی اس سے دم کروانے کا مشورہ دیا لیکن حضرت نے انکار کر دیا اور فرمایا اسے میرے گھر میں بھی نہ لانا۔

کچھ دنوں کے بعد پھر غشی کا دورہ پڑا اور وہ اتنا طویل ہوا کہ حضرت کو افاقہ نہ ہوتا تھا، لوگ اس ہندو کو بلانے کے لیے چلے گئے، واپس آ کر دیکھا تو حضرت کو افاقہ ہو چکا تھا۔ آپ نے اس ہندو کو بٹھا کر اس سے پوچھا کہ تجھے یہ کمال کیسے حاصل ہوا؟ اس

نے کہا پچاس سال تک نفس کشی کرنے کی وجہ سے! فرمایا تیرا نفس مسلمان ہونا چاہتا ہے؟ اس نے کہا نہیں! فرمایا کلمہ پڑھ لے ورنہ یہ کمال تجھ سے چھن جائے گا۔ یہ سنتے ہی اس نے کلمہ پڑھ لیا تو معلوم ہوا کہ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں، کسی کو بھی یہ کیفیات حاصل ہو سکتی ہیں۔

شاستر

جن کتابوں کا تعلق ہندوؤں کے عمومی فلسفے کے ساتھ ہو انہیں ''شاستر'' کہا جاتا ہے، اس فلسفے کی مختلف شاخیں ہیں جن میں سے ایک شاخ کو ''اَستک'' اور دوسری کو ''ناستک'' کہا جاتا ہے۔

اَستُک

شاستر کی اس شاخ کو غلطی سے پاک اور مبرا سمجھا جاتا ہے۔ اس کا مصنف ''سانکھ کُپَل'' کو قرار دیا گیا ہے جو کہ خدا کی ذات کا منکر اور محض عقل و فلسفہ کی بنیاد پر نجات کا حامی تھا۔

ناستک

شاستر کی اس شاخ کو خود ہندو بھی غلطی سے پاک اور مبرا قرار نہیں دیتے جس سے اس کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے اور اس سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

دوسرا شاستر یوگ:

اس شاستر کی رو سے ایشور (خدا) اور آتما (روح) دو الگ الگ چیزیں ہیں، انہیں ایک قرار دینا صحیح نہیں، اس فلسفے کی اہمیت یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے والا اپنے اندر ایک ایسی قوت پیدا کر لیتا ہے جس کے ذریعے انسان ہوا میں اڑ سکتا ہے، دریا پر چل سکتا ہے اور لوگوں کے دلوں کی باتیں اور بھید معلوم کر سکتا ہے۔

تیسرا شاستر ویدانت

ویدانت کا معنی ہے ''ویدوں کا اختتام اور انتہاء'' یعنی ویدانت فلسفہ ویدوں میں موجود مذہبی تعلیم کی انتہائی چوٹی ہے، سب سے پہلے ویدانت فلسفے کی تشکیل رشی بادرائن نے کی جو تقریباً ۲۵۰ ق م اور ۴۵۰ ق م کے درمیان گزرا ہے اور اسی نے ''ویدانت سوتر'' نامی کتاب لکھی۔

اس شاستر کا بنیادی فلسفہ اپ نشدوں کی تعلیمات کا نچوڑ ہے جس پر ہندو تصوف کی بنیاد ہے، اس شاستر کی رو سے کائنات کی ہر شئے برہما (خدا) ہے، انسان کا کمال یہ ہے کہ مادے کو ترک کر کے خود برہما بن جائے۔

چوتھا شاستر یمانسا

یہ شاستر ''جیمی جی'' کی تصنیف ہے جس میں قربانی سے متعلق احکام بتائے گئے ہیں اور انسان کو اپنے ارادے میں مکمل خود مختار قرار دیا گیا ہے اور اس فلسفے کے پیروکار خدا کے قائل نہیں ہیں۔

پانچواں شاستر نیایہ

یہ شاستر ''گوتم بدھ'' نے ترتیب دیا ہے جو تیسری صدی قبل مسیح میں گزرا ہے اور فلسفے کے بعض طلباء اسے ''ہندوستان کا ارسطو'' کہتے ہیں (اس کی مکمل سوانح ''بدھ مذہب'' کے تحت آئے گی انشاء اللہ) اس فلسفے میں انسان کو مجبور محض قرار دیا گیا ہے اور منطق کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔

چھٹا شاستر ویے شا

اس شاستر کو ''کناد'' نامی مصنف نے ترتیب دیا ہے جس میں طبیعیاتی فلسفہ اور مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ اس پوری کتاب کو سیکس اور جنسی خواہش کی تکمیل کے طریقوں سے بھر دیا گیا ہے اور اسی کے فلسفے کو اس میں دہرایا گیا ہے۔ کوک شاستر میں بھی جنسی

خواہشات کی تکمیل کے طریقے مذکور ہیں اور کوک شاستر دراصل اسی شاستر کا ایک حصہ ہے۔

مسلمانوں میں اس سے ملتی جلتی ایک وبا چل پڑی ہے جس کا نام ہے ''زبان کا چسکا'' یعنی کھانے پکانے کے نئے سے نئے طریقے جن کے ذریعے لذت کام و دہن کو پورا کیا جا سکے اور اس مقصد کے لئے بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں جو مہنگے داموں فروخت ہو رہی ہیں، اور اصول یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ ''زندہ رہو کھانے کے لئے'' حالانکہ اسلام نے یہ اصول سکھایا ہے کہ ''کھانا کھاؤ زندہ رہنے کے لئے''۔ سوچ اور فکر کا ذرا سا زاویہ بدلنے سے کتنا فرق پڑ جاتا ہے یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

رامائن

یہ ہندوؤں کی ایک مقدس تاریخی کتاب کا نام ہے لیکن ہندو اس کی تصنیف کا زمانہ متعین نہیں کر سکے، ہندوؤں کے مطابق یہ کتاب مختلف مصنفین نے اپنے اپنے انداز میں لکھی ہے، یہ کتاب مغربی بنگال اور بہار کی مذہبی روایات کی آئینہ دار ہے تاہم مذہبی نقطہ نظر سے اس کی اہمیت ''مہابھارت'' سے کم ہے۔

''رامائن'' نامی مقدس کتاب رام کالی داس اور ہیم چند نے بھی لکھی ہے لیکن ہندوؤں میں اس کی نسبت وَالمیکی کی رامائن زیادہ شہرت اور مقبولیت کی حامل ہے، اس کے ساتھ ساتھ ہندو اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اس میں تحریف ہو چکی ہے، موجودہ رامائن میں پہلے اور ساتویں باب کا اضافہ ہوا ہے اور اس کے علاوہ باقی متن میں بھی بہت زیادہ ردوبدل ہو چکا ہے، رامائن میں کل اڑتالیس ہزار اشعار ہیں جن میں سری رام چندر جی کی ان لڑائیوں کا ذکر ہے جو انہوں نے سری لنکا کے بادشاہ راون سے اپنی بیوی سیتا جی کو چھڑانے کے لیے لڑی تھیں۔

مہابھارت

یہ ہندوؤں کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے اور اسی کی مناسبت سے اس ملک کو

''بھارت'' کہا جاتا ہے ورنہ تقسیم سے پہلے اس پورے خطے کو ہندوستان کہا جاتا تھا، اس کتاب میں دو لاکھ پندرہ ہزار اشعار ہیں، ہندوؤں کے نزدیک اس کا مصنف ''ویاس جی'' ہے، مہا بھارت دراصل ایک جنگ کا نام ہے جس کا زمانہ ۶۰۰ ق م بیان کیا جاتا ہے، مشہور ہے کہ ''ویاس جی'' نے اس جنگ کا آنکھوں دیکھا حال اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے جس سے اس کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

اصل میں یہ جنگ نیشاپور کے دو خاندانوں کے درمیان ہوئی تھی اور پورے اٹھارہ دن جاری رہی۔ مہا بھارت میں اس جنگ کے تذکرے کے ساتھ ساتھ تصوف کے تصورات اور بہت سی افسانوی باتیں بھی لکھی گئی ہیں، موجودہ مذہب کی بنیاد یہی کتاب ہے لیکن اس کے بھی کئی نسخے ہیں اور مسٹر گونداس کے مطابق اس کے ہر نسخے میں بے انتہاء اختلاف پایا جاتا ہے۔

گیتا

اس کتاب کا پورا نام ''بھگوت گیتا'' ہے، درحقیقت یہ ''مہا بھارت'' ہی کا ایک حصہ ہے اور ہندو بھی اسے ''مہا بھارت'' ہی کا حصہ سمجھتے ہیں، گیتا کے مصنف کا نام ''سری کرشن جی مہاراج'' ہے، دراصل یہ ان نصیحتوں کا مجموعہ ہے جو کرشن جی مہاراج نے ''ارجن'' کو کی تھیں، اس کے کل اٹھارہ ابواب ہیں جنہیں تین حصوں پر تقسیم کیا گیا ہ اور ہر حصہ چھ بابوں پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر داس گپتا کا کہنا ہے کہ گیتا کوئی مستقل تصنیف نہیں بلکہ اس کی اکثر تعلیمات اپنشد سے ماخوذ ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کس دور کی تصنیف ہے اور آج کل ہندوؤں کے یہاں اس کتاب کو تمام کتابوں میں سب سے زیادہ اہمیت دی جارہی ہے کیونکہ قدیم ویدوں میں جو تعلیمات دی گئی تھیں، ہندوؤں نے انہیں بھلا دیا تھا، عمل نام کی کوئی چیز ان کی زندگی میں نہیں رہی تھی، ان کی زندگی میں جمود طاری ہو گیا تھا، ان کی سوچ اور زندگی غیر متحرک ہو چکی تھی، گیتا کے ذریعے ہندو قوم کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اس لئے اب ہندوؤں میں گیتا کی تعلیم عام ہے اور موجودہ ہندو معاشرے نے گیتا کے علاوہ باقی

تمام کتابوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

گیتا کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو کا کہنا ہے کہ آج ہندوؤں کے ہر فلسفے اور سوچ کا مرکز گیتا ہے۔

﴿ہندو دھرم (مذہب) میں مارگ (نجات) کے طریقے﴾

''نجات'' کے لئے ہندی زبان میں مارگ (یا مُکتی) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، نجات حاصل کرنے کے ہندو مذہب میں مختلف طریقے ہیں جنہیں یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

(۱) کو مارگا (راہِ عمل)

اس فلسفے کے تحت ہندوؤں کے یہاں یہ عقیدہ رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ ابدی قانون کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے اور قربانی اور عبادت جو کہ انسانی اعمال ہیں، کے ذریعے دیوتاؤں کی مرضی پوری کی جاسکتی ہے، پھر اس کے ثمرہ اور نتیجے کے طور پر بارش، طوفان، سورج کا طلوع وغروب وغیرہ امور ظاہر ہوتے ہیں۔

گذشتہ صفحات میں یہ بات ذکر کی جاچکی ہے کہ خود ہندوؤں نے اپنے آپ کو چار ذاتوں میں تقسیم کر رکھا ہے، ان میں سے ہر ایک کی راہ عمل الگ اور متعین ہے۔

(الف) برہمن کے لئے صرف ''حصول علم'' ہی ذریعہ نجات ہے۔

(ب) کھشتری کے لئے برہمنوں کو خیرات دینا اور جنگوں میں شرکت کرنا ذریعہ نجات ہے۔

(ج) ویش کے لئے کھیتی باڑی کرنا اور مویشی پالنا ذریعہ نجات ہے۔

(د) شودر کے لئے پہلے تینوں طبقوں کی خدمت کرنا ذریعہ نجات ہے۔

(۲) جنانا مارگا (راہِ علم)

ہندو مذہب کے بڑے راہنما کو ''پروہت'' کہتے ہیں۔ پروہتوں نے کو مارگا

یعنی راہ عمل کے ذریعے نجات حاصل کرنے پر بہت زیادہ زور دیا جس کے نتیجے میں تناسخ (آواگون) کا نظریہ سامنے آیا، بعد میں جب ہندو مفکرین نے غور کیا تو پتہ چلا کہ صرف راہِ عمل پر چلنے سے نجات نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے سب سے پہلے یہ بات قابل غور ہے کہ ''عمل'' کیا چیز ہے اور دوسرے نمبر پر یہ کہ وہ کون سا قانون ہے جس کے مطابق زندگی گزارنے سے انسان عمل اور ردعمل کے دائرے سے نکل کر نجات حاصل کر سکتا ہے۔

اس دوران ہندو مفکرین کے سامنے بہت سے موضوعات آئے مثلاً کائنات کا آغاز، تقدیر انسانی، حقیقت و ماہیت انسانی وغیرہ۔ ان موضوعات کو سامنے رکھ کر انہوں نے نجات کے لئے راہ عمل کے ساتھ ''جنانا مارگا'' یعنی راہ علم کا انتخاب کیا جس سے یہ بات بھی روشن ہو گئی کہ ہندو مذہب میں عمل کا وجود مقدم ہے اور علم کا حصول مؤخر کیونکہ اتنی بات تو ثابت اور طے شدہ ہے کہ ہندو مذہب میں ''راہ عمل'' کا تصور ابتدائی ہے اور ''راہ علم'' کا تصور ''ثانوی'' اس لئے اس بات کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں رہتا کہ ہندو مذہب میں عمل کا وجود مقدم ہے اور علم کا حصول مؤخر۔

(۳) بھگن مارگا (راہِ ریاضت)

جس طرح ''مارگ'' کا معنی ''نجات'' ہے اسی طرح اس معنی کے لئے ''مکتی'' کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ جس جماعت نے بنگالیوں کو پنجابیوں سے نجات دلائی اس کا نام ''مکتی بہانی'' تھا، اس کی مناسبت سے نجات کے لئے یہی لفظ استعمال ہونے لگا۔ مکتی حاصل کرنے کا تیسرا طریقہ ''ریاضت'' ہے جسے ''بھگتی'' بھی کہا جاتا ہے، اس کی آسان تعریف یوں کی جاتی ہے۔

''محبت کے ساتھ ایک شخصی دیوتا کی پوجا کی جائے۔''

یعنی ایک شخصی خدا پر ایمان رکھتے ہوئے اس سے ایسی محبت ہو کہ ہر چیز اس کے لئے وقف کر دی جائے۔

ریاضت یا بھگتی کا اصل سرچشمہ ''وید'' ہیں، ہندوؤں کے ابتدائی دور میں ریاضت پر اتنا زور نہیں دیا گیا لیکن موجودہ ہندوؤں میں نجات کے تین طریقوں میں سب

سے زیادہ اہمیت ''ریاضت'' ہی کو دی جارہی ہے اور اس میں فاقہ کشی، نفس کشی، چلہ کشی اور مراقبہ کشی وغیرہ بھی داخل ہیں۔

ہندوؤں میں ذات پات کی تفریق

ذات پات کی تفریق ہندو مذہب میں انتہائی بدترین ہے اور خود ہندو بھی اس سے کراہت کرنے لگے ہیں لیکن ہندو مصلحین بھی اس تفریق کو ختم کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔

دراصل ذات پات کی یہ تفریق ان کی مذہبی کتابوں کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے چنانچہ وید میں لکھا ہے۔

> ''برہمن، پرماتما (روح الارواح) کے منہ سے پیدا ہوئے کھشتری، پرتما کے بازوؤں سے پیدا ہوئے، ویش پرماتما کی رانوں سے پیدا ہوئے اور شودر پرماتما کے پاؤں سے پیدا ہوئے۔''

اسی طرح وید میں یہ بھی لکھا ہے،

> ''وید کے لئے برہمن پیدا کیا گیا ہے، حکومت کیلئے کھشتری پیدا کیا گیا ہے، کاروبار کے لئے ویش پیدا کیا گیا ہے اور دکھ اٹھانے کے لئے شودر پیدا کیا گیا ہے۔''

ذات پات کی تفریق مسلمانوں میں

ذات پات کی یہ تفریق ہندوؤں سے بڑھ کر مسلمانوں میں بھی پیدا ہوگئی ہے اور مسلمانوں میں بھی اعلیٰ ادنی، امیر اور غریب کے درمیان امتیاز برتا جانے لگا ہے، غریب کے ساتھ نشست و برخاست خاص دینی مجالس میں بھی باعث عار محسوس کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ کھانا کھانا اپنی ذلت سمجھا جاتا ہے، امت مسلمہ کے لئے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ ہندوانہ تہذیب کس غیر محسوس اور خفیہ طریقے سے اس پر اثر انداز ہو رہی ہے، اور کس طرح ہم خواب غفلت کا شکار ہیں۔

ہندو مذہب میں شودر کی حیثیت

ہندوازم میں شوروں پر اس قدر مظالم ڈھائے جاتے ہیں کہ جس کا تصور بھی مشکل ہے نمونے کے طور پر ''منو شاستر'' میں شودر کے متعلق تحریر شدہ ضابطہ ملاحظہ ہو۔

''شودر جس عضو سے برہمن کی بے عزتی کرے، اس کا وہ عضو کاٹ دو، اگر وہ برہمن کے برابر بیٹھ جائے تو اس کے کولہے کٹوا دو اور اسے ملک بدر کردو اگر وہ وید کی عبارتیں سن لے، تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دو اور اگر انہیں پڑھ لے تو اس کی زبان کاٹ دو اور اگر وہ اسے یاد کرنا چاہے تو اس کا دل چیر دو۔''

ہندو دھرم میں ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ جس ذات کا انسان جس ذات میں پیدا ہوتا ہے وہ مرتے دم تک اسی ذات میں رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں میں شادی صرف اپنی ذات کے لوگوں میں کی جاتی ہے اور یہ چیز آج کل مسلمانوں میں بھی پائی جارہی ہے کہ اپنی ذات برادری کے علاوہ دوسری میں شادی نہیں کرتے خواہ لڑکی شادی کی عمر سے گذر جائے۔

سوامی دیا نند نے لکھا ہے کہ مسلمان وغیرہ دیگر مذاہب کے لوگ اگر ویدک دھرم میں داخل ہوں تو وہ جس ذات کے لائق ہوں انہیں اسی میں رکھا جائے۔ یہ اسلام کی وسعت ظرفی ہے کہ اس نے نو مسلم اور قدیم الاسلام میں صرف تقوی کو معیار فضیلت قرار دے کر سب کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا اور خاندانوں برادریوں میں تقسیم کو عزت وذلت کے بجائے باہمی تعارف کا ذریعہ بنایا ہم سے غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے اسے تعارف کے بجائے عزت وذلت، فضیلت اور فضیحت کا معیار بنالیا۔

نیوگ

دنیا کے ہر دھرم اور مذہب میں مرد وعورت کے باہمی جنسی تعلق کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے اور تقریباً تمام مذاہب میں اس سے متعلق مختلف احکامات بیان کیے گئے ہیں

تا کہ ان تعلقات کے ذریعے پاکیزہ اولاد اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آئے لیکن ہندو مذہب میں جنسی تعلقات اور جذبات کی تسکین اور حصول اولاد کا ایک انوکھا طریقہ ہے جو دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا اسے ''نیوگ'' کہا جاتا ہے، ایک رسم کے طور پر جدید ہندو مذہب میں اسے ''سوامی دیانند'' نے متعارف کروایا جس کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

اگر کسی عورت کا شوہر انتقال کر جائے تو اس کی بیوہ کو باقی ماندہ ساری زندگی شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ قدیم زمانے میں عورت کو ''ستی'' کر دیا جاتا تھا یعنی شوہر کی نعش کو جلانے کے ساتھ ساتھ بیوی کو بھی دلہنوں والے کپڑے پہنا کر آگ میں جلا دیا جاتا تھا، تاہم اب یہ رسم متروک ہو گئی ہے اور اس کی جگہ نیوگ کی رسم کو جاری وساری کیا جا رہا ہے، اور وہ یہ کہ بیوہ عورت دوسری شادی تو نہ کرے البتہ اپنے جنسی جذبے اور شہوت کو تسکین دینے اور اولاد پیدا کرنے کے لئے کسی بھی غیر مرد سے ہم بستری کر سکتی ہے۔

اسی طرح ''نیوگ'' کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر تو موجود ہو لیکن اس سے اولاد نہ ہوتی ہو تو وہ کسی غیر مرد سے ازواجی تعلق قائم کر کے اولاد پیدا کر سکتی ہے اور اس عورت کو یہ اجازت دس مردوں تک سے ہم بستر ہونے تک وسیع ہے، سوامی دیانند کے مطابق شادی یا نیوگ کے ذریعے مرد وعورت کو دس دس بچے پیدا کرنے کی اجازت ہے۔

اگر شادی شدہ مرد دھرم کی خاطر کسی اور ملک میں چلا جائے تو عورت آٹھ سال انتظار کرے، حصول علم کے لئے سفر کی صورت میں چھ سال اور اکتساب رزق کے لئے سفر کی صورت میں تین سال تک انتظار کرنے کے بعد عورت ''نیوگ'' کے ذریعے اولاد پیدا کر سکتی ہے۔

مادہ اور روح کے بارے ہندو عقیدہ

جدید ہندو مذہب کے مطابق مادہ اور روح دونوں ازلی اور ابدی ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مادہ اور روح میں کوئی بھی فرق نہیں بلکہ ان دونوں کو خالق کا درجہ حاصل ہے، اس اعتبار سے خدا بھی مادہ اور روح کا محتاج ہوا۔

﴿ہندو مذہب اور دین اسلام کا تقابلی جائزہ﴾

گزشتہ صفحات میں ہندو مذہب کی موٹی موٹی اور بنیادی باتیں ذکر کی گئی ہیں اور اختصار کے ساتھ ان کے عقائد کا تذکرہ بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا، اب یہاں ہندوازم کا اسلام کے ساتھ تقابل کرنا ضروری ہے تاکہ ہندو مذہب کا بطلان اور اس کی تنگ دامنی اور اسلام کی حقانیت وصداقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے۔

(۱) پیغمبر کا تصور

ہندو مذہب میں کسی نبی یا رسول کا کوئی وجود بلکہ تصور تک نہیں، وہ اپنی مقدس کتابوں کے مصنفین کو ''رشی'' کے نام سے جانتے اور یاد کرتے ہیں البتہ آریہ قوم سے تعلق رکھنے والے وحی، الہام اور ہدایت الٰہی کے قائل ہیں جبکہ اسلام ایک ایسا دین ہے جس میں نبی اور رسول کا وجود اتنا ہی یقینی ہے جیسے رات کے بعد صبح کا آنا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً﴾ (النحل: ۳۶)

''ہم نے ہر قوم میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔''

(۲) مساوات اور خاندانی تعارف

ہندو مذہب میں وید کے مطابق انسان چار ذاتوں پر مشتمل ہے۔

(۱) برہمن (۲) کھشتری (۳) ویش (۴) شودر

جن میں برہمن سب سے زیادہ معزز ذات شمار ہوتی ہے اور شودر کو سب سے زیادہ گھٹیا ذات سمجھا جاتا ہے گویا ہندو مذہب میں ذات پات کی تفریق ہی عزت اور ذلت کا معیار ہے جبکہ اسلام نے اپنے دامن عدل وانصاف میں مساوات کی چادر کو اتنا وسیع کیا کہ دنیا کے سارے انسان اس کے نیچے آگئے اور ان کے مابین فضیلت اور عزت وبزرگی کا معیار تقوی قرار پایا جس میں تقوی کی یہ صفت جتنی زیادہ پائی جائے گی وہ اتنا ہی مقرب

بارگاہ خداوندی ہوگا، قرآن کریم میں اسی حقیقت کو آشکارا کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳)

رہا خاندانی اور قبائلی امتیاز، سو قرآن کریم نے اسے باہمی تعارف کا ذریعہ قرار دیا ہے نہ کہ عزت اور ذلت کا معیار چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾ (الحجرات: ۱۳)

(۳) عقیدہ توحید

ہندو مذہب میں تریمورتی کا عقیدہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ہندو ''ذات خداوندی'' میں شرک کرتے ہیں اور اس کے علاوہ باقی دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش صفات خداوندی میں شرک کا منہ بولتا ثبوت ہے جبکہ اسلام ایک لمحہ کے لئے بھی شرک کو برداشت نہیں کرتا اور ساری انسانیت کو ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور تقاضائے صفات میں شرک کرنے سے روکتا ہے۔

حضرت عزیز یا عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دینا اللہ تعالیٰ کی ذات میں شرک ہے اسی طرح صابئین یعنی ستارہ پرستوں کا ستاروں کی پوجا کرنا اور بت پرستوں کا بتوں کی پوجا کرنا بھی ذات خداوندی میں شرک ہے جبکہ صفات میں شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی خالق، رازق، مالک، شافی، داتا، مشکل کشا، دستگیر، فریاد رس اور اولاد عطا کرنے والا سمجھا جائے، شرک کی یہ دونوں قسمیں ناقابل معافی ہیں دلیل کے لئے ذیل کی آیت کا مطالعہ ضروری ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ (النساء: ۱۱۶)

اس لئے شرک کی ان دونوں قسموں سے بچنا ضروری ہے اس کے ساتھ ساتھ صفات کے تقاضوں میں بھی شرک سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے چنانچہ اللہ کو معبود ماننے کے بعد تقاضا یہ بنتا ہے کہ عبادت بھی اسی کی ہو، غیر کے در پر سر نہ جھکے، اسی طرح اللہ کو رازق ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ رزق کا سوال صرف اسی سے کیا جائے، اللہ کو ہر جگہ حاضر

و ناظر ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی سے ڈرا جائے وغیرہ۔

(۴) ایمان بالغیب

ہندو مذہب میں مظاہر قدرت کی پرستش اور انہیں کو دعاؤں کا مرکز سمجھنا اس بات کی روشن اور کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اس میں ایمان بالغیب نامی کوئی چیز موجود نہیں اسی وجہ سے ہندو دکھائی نہ دینے والے خدا کی پرستش نہیں کرتے بلکہ ہندو اور مستشرقین (غیر مسلم یورپی محققین) مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا دین تو اندھا ہے کہ وہ ان دیکھی باتوں پر یقین رکھتے ہیں، جنت، جہنم، پل صراط اور ملائکہ کو مانتے ہیں حالانکہ کسی نے بھی انہیں دیکھا نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے یقیناً ایمان بالغیب کا حکم دیا ہے اور مسلمان بن دیکھے اللہ کی عبادت کرتا ہے، جنت اور جہنم پر ایمان رکھتا ہے لیکن وہ ہر ان دیکھی بات پر یقین نہیں کرتا اور نہ اسے درخور اعتناء سمجھتا ہے بلکہ مسلمان اسے اپنے پیغمبر کے اقوال و ارشادات کی روشنی میں تسلیم کرتا ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ پیغمبر اسلام کو تو کافر اور جانی دشمن بھی صادق و امین کہا کرتے تھے؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ جس پیغمبر نے بندوں کے معاملات میں کبھی کذب بیانی سے کام نہ لیا ہو، وہ اللہ کے معاملے میں دروغ گوئی کرے گا؟ یقیناً ایسا نہیں ہوسکتا اس لیے اس میں غلطی کا بھی امکان نہیں جبکہ دنیا کی کسی بھی چیز پر نگاہ توجہ مبذول کی جائے تو اس کا علم حاصل کرنے کے ذرائع ہی یقینی نہیں تو غلطی سے محفوظ کہاں ہوں گے؟

مثلاً آپ ایٹم بم کو لے لیجئے! اس کا علم پانچ ذرائع سے حاصل ہوتا ہے اخبارات، کتابیں، ریڈیو، ٹیلی ویژن، باہمی مکالمات لیکن ان پانچ میں سے کوئی ایک ذریعہ یقینی نہیں اس لئے اس کا علم غلطی سے محفوظ نہیں اور علوم نبوت جس راستے سے ہم تک پہنچے ہیں وہ اتنے محفوظ اور غلطی سے پاک ہیں جتنا ستاروں کا اپنی منزل پر رواں دواں ہونا۔

(۵) علم کی بنیاد

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو پانچ حواس عطا فرمائے ہیں جن کے ذریعے وہ محسوسات کو معلوم کرتا ہے اور غیر محسوسات کے لئے اللہ تعالیٰ نے ''دماغ'' کو پیدا فرمایا ہے، وہ پانچ حواس یہ ہیں۔

(۱) قوت سامعہ: سننے کی طاقت

(۲) قوت باصرہ: دیکھنے کی طاقت

(۳) قوت شامہ: سونگھنے کی طاقت

(۴) قوت ذائقہ: چکھنے کی طاقت

(۵) قوت لامسہ: چھونے کی طاقت

اب کوئی آواز آپ کے کان میں جائے تو اس کے حلال وحرام ہونے کا فیصلہ کرنے کے لیے ''وحی الٰہی'' کی ضرورت ہے چنانچہ وحی الٰہی نے اس سلسلے میں رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء الزرع﴾

قوت باصرہ استعمال کرتے ہوئے انسان حلال وحرام کی پرواہ کئے بغیر جسے چاہتا ہے دیکھتا ہے، وحی الٰہی نے فیصلہ کیا

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ (النور: ۳۰)

اسی طرح ہر حاسے کے لئے ''وحی الٰہی'' کی ضرورت اور اہمیت ہے اور یہی اسلامی علوم کا نقطہ آغاز ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اسلام میں راہ علم کو فوقیت حاصل ہے اور علم بھی وہ جس کی بنیاد انسانی سوچ پر نہیں بلکہ ''وحی الٰہی'' پر ہے جب کہ ہندومت راہ عمل کو فوقیت دے کر راہ علم کو مؤخر قرار دیتا ہے۔

(۶) ضابطہ حیات

ہندو مذہب میں رسوم پرستی اور چند تاریخی کہانیوں کی نتیجہ خیزی کے علاوہ زندگی گزرانے کا کوئی ضابطہ اور اصول پیش نہیں کیا گیا اور اس مذہب کی مقدس و مذہبی کتب بھی ضابطہ حیات کے بیان سے خالی اور تہی دامن ہیں جبکہ اسلام نے اپنے پیر کاروں کو اخلاقی، اقتصادی، معاشرتی اور روحانی ہر طرح کے ضابطہ حیات سے نوازا ہے جس کی روشنی میں وہ اپنی زندگی کے مدارج طے کرتے ہیں کیونکہ دین اسلام کے پانچ شعبے ہیں۔ (۱) ایمانیات (۲) اخلاقیات (۳) عبادات (۴) معاملات (۵) معاشرت اور اسلام نے ان پانچوں شعبوں میں اتنی مکمل راہنمائی فرمائی ہے جس کے بعد کسی دوسری وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(۷) عالمگیریت

ہندو مذہب ایک محدود دھرم ہے جو اپنے دامن میں صرف ان ہندوؤں کو جگہ دیتا ہے جو بائی برتھ یعنی پیدائشی ہندو ہوں، کسی اور مذہب یا قوم سے تعلق رکھنے والے کو اولاتو یہ اپنے مذہب میں شامل ہونے ہی نہیں دیتے لیکن اگر کوئی اصرار کر کے ہندو مذہب قبول کرنا چاہے تو اسے نیچ گھٹیا ذات کے درجے میں رکھا جاتا ہے اور یہ چیز آج تک موجود ہے۔

اسکے برعکس اسلام ایک عالمگیر مذہب اور قرآن ایک عالمگیر قانونی کتاب ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (ص: ۸۷)

اور پیغمبر اسلام کے ذریعے یہ اعلان بھی کروایا گیا

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾

(الاعراف: ۱۵۸)

اس لئے دین اسلام قیامت تک ہر نسل اور قوم، ہر خطے اور مملکت، ہر رنگ

وروپ اور ہر بولی بولنے والے عربی وعجمی کے لئے ایک عالمگیر مذہب کی صورت میں موجود رہے گا اور اسلام اپنے دامن رحمت میں ہر ایک کو پناہ دے کر دوسرے مسلمانوں کے برابر اس کے حقوق بھی تسلیم کرتا رہے گا۔ انشاء اللہ

(۸) نجات کے طریقے

ہندو مذہب میں نجات کے تین طریقے ہیں۔ (۱) علم (۲) عمل (۳) ریاضت جبکہ اسلام میں نجات کے طریقے دو ہیں۔ (۱) ایمان (۲) عمل۔ ریاضت کوئی الگ شعبہ نہیں بلکہ عبادات کا ایک جزو ہے اور عبادات دو طرح کی ہیں۔ (۱) بدنی (۲) مالی اور ''دین'' ان دونوں کے مجموعے کو کہتے ہیں۔

(۹) تناسخ یا جہان نو

ہندو مذہب کے بنیادی عقائد میں تناسخ یا آواگون بھی شامل ہے، جس کے مطابق ہر انسان ایک مرتبہ مرنے کے بعد دوبارہ نئے وجود کے ساتھ جنم لیکر دنیا میں آتا ہے جبکہ اسلام کا تصور اس کے بالکل برعکس اور مبنی بر حقیقت ہے اور وہ یہ کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ آخرت میں ملے گا، نیک اعمال کا بدلہ جنت کی صورت میں اور برے اعمال کا جہنم کی صورت میں دیا جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض اوقات انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جاسکتا ہے۔

(۱۰) نکاح اور نیوگ

نیوگ ہندو دھرم میں ایک مذہبی حیثیت کا حامل عمل ہے جس میں ایک عورت بیوہ ہونے یا شوہر کی گمشدگی یا اولاد نہ ہونے کی صورت میں دوسرے مرد سے ازواجی تعلقات قائم کرسکتی ہے اور اس کے ذریعے اسے دس بچے تک پیدا کرنے کی اجازت ہے، نیوگ کے نام پر ہندو معاشرے میں جاری وساری یہ رسم گندگی کی اعلیٰ ترین مثال ہے جو ہندو دھرم کے علاوہ کسی اور دھرم میں نہیں مل سکتی۔

اس کے برخلاف اسلام میں نکاح کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے ازدواجی

تعلقات قائم کرنا ناجائز اور گناہ ہے اسلام نے اسے زنا اور بدکاری قرار دے کر اس کے قریب جانے سے بھی انتہائی سختی سے منع فرمایا ہے چہ جائیکہ اس عمل بد کا ارتکاب اور اس کے ذریعے بچے پیدا کیے جائیں۔

(۱۱) مادہ کا تصور

جدید ہندومت کے مطابق مادہ اور روح ازلی و ابدی ہیں اور ان دونوں کو ''خالق'' کا درجہ حاصل ہے اس اعتبار سے خدا بھی ان کا محتاج ہوا جب کہ اسلام نے اس عقیدے کو باطل قرار دیا ہے، اور ہر چیز کا ذات خداوندی کے سامنے محتاج ہونا اور ذات خداوندی کا بے نیاز ہونا ثابت کیا ہے اور ہر چیز کی خالقیت کا اثبات صرف ذات خداوندی کے لئے ہونا جابجا قرآن کریم میں مذکور ہے اس لئے اسلام میں اس عقیدہ باطل کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۱۲) گائے

ہندو مذہب میں گائے کو ایک مقدس جانور سمجھا جاتا ہے اس کی پرستش کی جاتی ہے اور اسے ذبح کرنا ایک جرم عظیم شمار ہوتا ہے اسے چومنا چاٹنا، اس کے بول و براز کو مقدس سمجھنا اور اس کے آگے سر تسلیم خم کرنا، بہترین اور اعلیٰ درجے کی عبارت ہے۔ جبکہ اسلام میں گائے کو ایک حلال جانور کی حیثیت دی گئی ہے جسے کھانا اور اس سے نفع حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے جائز ہے قربانی کے سلسلے میں اسے بارہ گاہ خداوندی میں پیش کرنے کا ثواب ہے اور اسکا گوشت اور دودھ قابل انتفاع قرار دیا گیا ہے۔

(۱۳) انسان کی قربانی

ہندو ازم میں اپنے معبودوں کے لئے انسان کو قربان کرنا جائز ہے بلکہ بعض بت تو ایسے ہیں کہ جن کے سامنے صرف انسانوں ہی کو قربان کیا جا سکتا ہے اور انسانوں کی قربانی کی یہ رسم بہت پہلے سے چلی آرہی ہے چنانچہ دور فاروقی میں مصر کے گورنر و فاتح نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے ایک عریضے میں اہل مصر کی یہ عجیب ریت لکھ کر

بھیجی کہ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا ہے تو اہل مصر ایک نوجوان لڑکی کو خوب بناؤ سنگھار کر کے اس دریا کی نذر کر دیتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس سے دریا کا پانی جاری اور زائد ہو جاتا ہے۔ گویا یہ انسانی قربانی اس وقت بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود تھی اور آج بھی ہندوؤں نے اسے اپنا رکھا ہے جبکہ اسلام میں انسانی قربانی کسی بھی مرحلے میں جائز نہیں ہے۔ صرف چند مخصوص جانوروں کی قربانی اور ان سے انتفاع جائز قرار دیا گیا ہے جو کہ یقیناً عقل سلیم رکھنے والے اشخاص کی نظر میں ایک بہترین فیصلہ ہے۔

(۱۴) وراثت

ہندو مذہب میں عورت کو اس کے حق وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے، لڑکی اپنے باپ کی جائیداد کی وارث نہیں بن سکتی، کوئی بیوہ عورت اپنی جائیداد فروخت کرنے کا حق نہیں رکھتی، کسی بیوہ عورت کو ''نکاح ثانی'' کرنے کی اجازت نہیں البتہ نیوگ کی کھلم کھلا اجازت ہے اسی طرح عورت اپنے شوہر کے مال کی بھی وارث نہیں بن سکتی۔

جبکہ اسلامی تعلیمات اتنی صاف ستھری، روشن اور اجلی ہیں کہ ان میں عورت کے لئے وراثت کا حصہ بھی مقرر کیا گیا ہے اور اسے اپنے شوہر کی میراث میں سے بھی حصہ ملے گا، لڑکی اپنے باپ کی جائیداد کی وارث بھی ہوتی ہے اور بیوہ ہونے کی صورت میں اپنی جائیداد فروخت کرنے کا حق بھی محفوظ رکھتی ہے، طلاق یا بیوگی کی صورت میں نکاح ثانی کی نہ صرف اجازت بلکہ ترغیب دی گئی ہے۔

اسی طرح اسلام نے عورت کو یہ حق بھی دیا ہے، کہ اگر وہ کسی خاص وجہ سے اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرنا چاہے، تو ضوابط کے تحت اس کی بھی اجازت ہے اور عورت کے اس حق کو شریعت اسلامیہ میں حق خلع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

لمحہ فکریہ

اسلامی تعلیمات اور ہندوازم کے بنیادی عقائد میں آپ نے تقابل ملاحظہ فرمایا اور آپ نے خود اس بات کو محسوس کیا ہوگا کہ یقیناً ہندوازم اسلام کے مقابلے میں اپنے

اندر کوئی جاذبیت اور کشش نہیں رکھتا، اس کے باوجود قابل افسوس بات یہ ہے کہ ہندو معاشرے کے ساتھ ایک طویل عرصہ گذارنے اور موجودہ میڈیا کی طوفانی یلغار نے مسلمانوں کے دل اور دماغ پر اس بری طرح حملہ کیا ہے کہ آج کل مسلمان بھی اپنے باپ کے مرنے کے بعد بہنوں کو وراثت کا حصہ نہیں دیتے اور یہ کہہ کر اپنی جان چھڑا لیتے ہیں کہ تمہیں اتنا جہیز نہیں دیدیا تھا؟ اور بعض تو اس سلسلے میں اتنی بے اعتدالی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ اپنی بہنوں سے دوٹوک الفاظ میں کہہ دیتے ہیں کہ بھائی چاہتی ہو یا مال و دولت؟ اب بے چاری بہن مجبور ہو کر اپنے حق سے دستبردار ہو جاتی ہے۔

بعض لوگ لڑکی کو دوسری شادی نہیں کرنے دیتے اور اسے معیوب سمجھا جاتا ہے اسی طرح حق مہر کے سلسلے میں عورت پر بہت ظلم کیا جاتا ہے چنانچہ اکثر لوگ تو حق مہر دیتے ہی نہیں اور جو دیتے ہیں ان کے نزدیک شرعی حق مہر ۳۲ روپے ہے یاد رکھیں! اسلام میں ۳۲ روپے شرعی مہر ہونے کا کوئی تصور نہیں، مہر کی مقدار لڑکے کی مالی حیثیت و وسعت کے مطابق ہونی چاہیے اور اس کی ادائیگی کو اپنے اوپر فرض کی طرح لازم سمجھنا چاہیے، یہ ایک المیہ اور لمحہ فکر یہ ہے کہ اسلام کی صاف ستھری اور الہامی تعلیمات میں ہندوانہ رسومات کی شجر کاری کی جارہی ہے اور مسلمان اسے آنکھیں بند کیے اپنے دین و ایمان کا جزو اور حرز جان بنانے کے لئے مکمل طور پر تیار ہے اسے اس بات کا احساس ہی نہیں کہ ایمان کے چشمہ صافی کو گندگی کے ان ڈھیروں سے کس طرح ملوث کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس کا دامن ایمان کن کن راستوں سے تار تار کیا جارہا ہے۔

اے کاش! ہم میں ایمانی غیرت، ملی جذبے اور شعور و آگاہی کی ایک ایسی لہر بیدار ہو جو تمام ادیان باطلہ سے ہمارا پیچھا چھڑا دے اور ہمارے قدم راہ مستقیم پر گامزن کرنے میں معاون ثابت ہو سکے۔ آمین

سوال: قرآن کریم کے مطابق ہر قوم میں کوئی نہ کوئی نبی اور پیغمبر ضرور آیا ہے تو کیا ہندوستان میں بھی کسی نبی کی آمد کا ثبوت ملتا ہے؟ اس سوال کی ضرورت اس لئے پیش آئی

کہ آج کل ہندو اپنے آپ کو اہل کتاب قرار دے کر مسلمانوں کو شکوک وشبہات کی اندھیرنگری میں دھکیل رہے ہیں۔

جواب: ہندو مذہب سوائے اس کے کہ تین ہزار سال پرانا ایک قدیم مذہب ہے اپنے اندر کوئی خوبی اور کشش نہیں رکھتا خود ہندو اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ان کا دین آسمانی نہیں، ان کی کتابیں آسمانی نہیں، اور ان کتابوں کے مصنفین کو وہ ''رشی'' کے نام سے جانتے ہیں۔

انہیں رسول یا نبی ہرگز قرار نہیں دیتے، اس کے ساتھ ساتھ اہل کتاب ہونے کی نشانی یہ ہے کہ وہ تین عقائد کا حامل ہو۔(۱) عقیدہ توحید (۲) عقیدہ رسالت (۳) عقیدہ آخرت جبکہ ہندو مذہب میں اس کا کوئی تصور نہیں اس لئے انہیں اہل کتاب قرار دینا کسی بھی طرح صحیح نہیں۔

سوال: اسلام نے عورت کو اگرچہ حقوق دیئے ہیں لیکن مساوات تو ان میں بھی نہیں چنانچہ وراثت میں اس کا حصہ مرد سے آدھا ہے اور گواہی میں مرد کی کمی دو عورتوں کے ذریعے پوری کی جاتی ہے تو مساوات کہاں رہی؟

جواب: اگر مساوات کا معنی یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے حقوق بالکل برابر ہوں تو اس کی مثال پوری دنیا کے کسی خطے پر بھی نہیں مل سکتی جہاں کوشش کی گئی وہاں سخت ناکامی کا سامنا ہوا، اس لئے مساوات کا یہ معنی مراد نہیں ہوسکتا بلکہ اسلام میں مساوات سے مراد یہ ہے کہ جس کا جو حق بنتا ہے اسے وہ دے دیا جائے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔

باب دوم

بانی مذہب کی تصویر کشی، تعلیمات اور حقوق وفرائض، مذہبی ورثہ اور مقدس کتابیں، عقائد ونظریات اور اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب دوم

﴿بدھ مذہب﴾

گوتم بدھ کے حالاتِ زندگی

ہندوستان میں آج سے ۲۶۰۰ سال قبل سلطنت مگدہ کا بول بالا تھا اور یہ سلطنت موجودہ جنوبی بہار سے لے کر گنگا کے جنوب میں ندی شوما تک پھیلی ہوئی تھی، اس کا دارالحکومت ''راج گر یہہ'' تھا شمال میں لچھوی اور شمال مغرب میں کوشلوں اور جنوب میں کاشیوں کی حکومتیں قائم تھیں۔ کوشل راج کی مشرقی جانب روہنی ندی کے دونوں کناروں پر آمنے سامنے دو خود مختار قومیں آباد تھیں (۱) شاکیہ (۲) کولی

اس زمانے میں مہاراج شدھودھن شاکیوں پر حکمران تھا جس نے کولی مہاراج کی دو لڑکیوں سے شادی کر لی تھی، اس طرح ان دونوں کے درمیان باہمی تعلق مزید مضبوط ہو گیا۔ ایک مدت گزرنے کے بعد دونوں لڑکیوں میں سے بڑی لڑکی حاملہ ہو گئی اور اسے اس وقت کے رواج کے مطابق زچگی سے چند دن قبل اس کے باپ کے گھر بھیج دیا گیا لیکن وہ ابھی راستے میں ہی تھی کہ اس کی تکلیف کی شدت میں اضافہ ہو گیا اور اس نے ایک جنگل میں پناہ لی وہیں اس کے یہاں ایک بچے نے جنم لیا جسے لے کر وہ اپنے باپ کے گھر پہنچی لیکن اتفاق کی بات ہے کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن ہی وہ مر گئی اور اس کے بعد اس کی چھوٹی بہن نے اسے پالا پوسا، یہی وہ بچہ ہے جسے آج دنیا ''گوتم بدھ'' کے نام سے پکارتی ہے۔

گوتم بدھ کی پیدائش ۵۶۸ ق م میں شمالی ہند کے علاقے نیپال میں ہونا بھی بعض مورخین نے ذکر کیا ہے اس کی والدہ کا نام ''مایا'' تھا بچپن میں والدین نے اس کا نام ''سدھارتھ'' رکھا تھا تاہم اس کا خاندانی نام ''گوتم'' تھا اور محنت وریاضت سے گیان

(فضیلت کا مرتبہ) حاصل کرنے کے بعد اسے ''بدھ'' کے نام سے شہرت ملی اور ان دونوں ناموں کو ملا کر ''گوتم بدھ'' کہا جاتا ہے اس کی ابتدائی نشو ونما اور پرورش کے حوالے سے تواریخ میں یہ بات ملتی ہے کہ چونکہ اس کے والد ''مہاراج'' اور حکمران تھے اس لئے اس کی پرورش شاہانہ طریقے پر ہوئی، بعد میں اس نے اپنی زندگی کی روش کو تبدیل کرلیا تھا۔

گوتم بدھ اور انسانی زندگی کے تین مرحلے

مختلف تاریخی حوالہ جات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ گوتم بدھ اپنے خادم کے ساتھ گھر سے باہر نکلا، اس وقت وہ انیس سال کے پیٹے میں تھا، راستے میں ایک بوڑھا شخص نظر آیا جو اپنے چہرے سے ہی انتہائی غریب، مسکین، اور کمزور نظر آرہا تھا، اس کے لئے چلنا پھرنا بھی دشوار تھا۔ کچھ دور اور چل کر اسے ایک اور بوڑھا کمزور اور بیمار شخص دکھائی دیا جو بیماری کی وجہ سے اتنا لاغر ہو چکا تھا کہ اس کے لئے چند قدم اٹھانا بھی دوبھر ہو رہے تھے اور وہ لڑکھڑاتے قدموں سے چل رہا تھا۔

کچھ دور اور چلنے کے بعد اسے ایک جنازہ دکھائی دیا جسے لوگ قبرستان کی طرف لے جارہے تھے، اسی اثنا میں اس کی نظر ایک درویش پر پڑی جس کے چہرے پر نور چمک رہا تھا اور اسے دیکھتے ہی قناعت کا تصور ابھرتا تھا۔

گوتم بدھ جب گھر واپس پہنچا تو اس کا دل طرح طرح کے افکار و خیالات میں گھرا ہوا تھا، اس کے سامنے اوپر تلے انسانی زندگی کے تین مرحلے آئے، (۱) بڑھاپا (۲) بیماری (۳) موت اس کے دل میں خیال آیا کہ آخر کار وہ بھی ایک دن بوڑھا ہوگا، بیمار پڑے گا اور پھر اس پر بھی موت آجائے گی پھر یکا یک اسے وہ نورانی چہرے والا درویش یاد آیا جس کے چہرے سے سکون اور اطمینان ٹپک رہا تھا۔

گوتم بدھ ان تمام امور پر غور و فکر کرتا رہا اور دنیا کی محبت سے اس کا دل اچاٹ ہوگیا اور وہ یہ سوچنے لگا کہ وہ بھی اس بزرگ کی طرح دنیا اور اس کی تمام آسائشوں کو ترک کر کے یاد خداوندی میں مصروف ہو جائے تا کہ اسے بھی سکون واطمینان کی یہ دولت حاصل ہو جائے لیکن اس کے لئے اس نے جو طریقہ اختیار کیا بدقسمتی سے اسے وحی الٰہی کی

تائید حاصل نہ تھی اس لئے وہ گمراہ ہو گیا جیسا کہ عنقریب تفصیل سے آتا ہے۔

فائدہ:

تاریخی حوالہ جات کے تذکرے سے یہ واقعہ گوتم بدھ کی عمر کے انیسویں سال میں پیش آنا معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخی حیثیت سے اس کا ثبوت مشکوک ہی نہیں بلکہ نادرست بھی ہے کیونکہ اتنی بات تو مسلم ہے کہ گوتم بدھ کی شادی سولہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں ہوئی ہے اور ''مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا'' کا مصنف لیوس مور لکھتا ہے کہ شادی کے بعد دس سال تک گوتم بدھ اپنی بیوی کے ساتھ دنیوی آرام وراحت سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس اعتبار سے اس کے دنیاوی تعلقات اور آسائشوں کو ترک کر کے راہبانہ زندگی اختیار کرنے کی عمر کم از کم ۲۶ یا ۲۸ سال بنتی ہے۔

راہبانہ زندگی کا نقطہ آغاز

گوتم بدھ کی شادی یشو دھرانامی راج کماری سے ہوئی تھی، اس سے اس کے یہاں ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا جس کا نام ''راہوال'' رکھا گیا۔ جس وقت گوتم کے یہاں بیٹا پیدا ہوا اس وقت وہ ایک ندی کے کنارے بیٹھا اپنے خیالات میں گم تھا، واپس ہوا تو اس پر پھولوں اور مبارک بادوں کی بارش شروع ہوگئی لیکن گوتم کچھ اور ہی سوچ رہا تھا، وہ اپنی زندگی کو ان تمام تکلفات سے آزاد کرنا چاہتا تھا اور اس کے لئے وہ اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار بھی کر چکا تھا چنانچہ ایک مرتبہ رات کے وقت وہ اپنی بیوی کے کمرہ میں داخل ہوا، کمرہ خوشبودار چراغوں سے جگمگا رہا تھا اور اس کی بیوی چاروں طرف سے پھولوں میں گھری ہوئی سکون کی نیند سو رہی تھی، گوتم بدھ کے دل میں یہ جذبہ بیدار ہوا کہ ایک مرتبہ اپنے بچے کو گود میں اٹھا کر اسے پیار کرلے لیکن وہ یہ سوچ کر رک گیا کہ کہیں بچے کی ماں کی آنکھ نہ کھل جائے اور اس کی گذارشات اس کے دل کو ہلا کر اس کے مقصد میں رکاوٹ نہ بن جائیں یہی سوچ کر کچھ دیر وہ اپنی بیوی اور بچے کو چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا پھر ان پر الوداعی نگاہ ڈال کر گھر سے نکل گیا اور راج گڑھی کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ شہر اس وقت بڑی بڑی گھاٹیوں کے درمیان پانچ پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا اور یہاں بہت سے درویش رہا کرتے تھے، گوتم بدھ ان میں سے ''الار'' نامی درویش کے پاس رہا پھر ادرک نامی درویش سے ہندو درشن شاستر سیکھا لیکن اسے قلبی سکون واطمینان کی دولت حاصل نہ ہوسکی۔ اس کے بعد اس نے نفس کشی کے چلے شروع کر دیئے اور ''ازویل'' کے جنگلات میں اپنے پانچ شاگردوں کے ساتھ چھ سال تک مختلف قسم کی ریاضتیں اور مجاہدات کرتا رہا اور سوکھ کر کانٹا ہوگیا تاہم منزل مقصود پھر بھی نہ حاصل کر سکا۔

ایک دن گوتم بدھ بہت زیادہ کمزوری کی وجہ سے گر پڑا، اس کے شاگرد سمجھے کہ وہ مر گیا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد اسے ہوش آ گیا اور وہ یہ سوچنے لگا کہ ان تمام ریاضتوں اور بھوک پیاس کو برداشت کرنے کا کیا فائدہ؟ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ انسان کچھ کھائے پیئے تو سہی، چنانچہ گوتم بدھ نے یہ سوچ کر کھانا پینا شروع کر دیا۔ مختلف قسم کی آزمائشوں اور مجاہدوں کے بعد گوتم بدھ کے پیروکاروں کے مطابق بالآخر اسے ایک دن دیدار خداوندی نصیب ہوگیا اور یوں اسے قلبی اطمینان حاصل ہوگیا۔

یہ کیفیت حاصل کرنے کے بعد گوتم بدھ راج گڑھی کی طرف واپس ہوا اور لوگوں میں اپنے نظریات وافکار کی اشاعت شروع کر دی اس کے بعد وہ کچھ عرصہ کے لئے ''ہرن بن'' میں بھی رہا جہاں اس کے مریدین اور پیروکاروں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی یہی اس مذہب کا نقطہ عروج تھا۔ تاہم بدھ مذہب کے راہب، جنہیں ''بھکشو'' کہا جاتا ہے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ''بدھ'' مذہب نہیں بلکہ ایک فلسفہء زندگی ہے ظاہر ہے کہ مذہب اور فلسفہ زندگی میں بہت فرق ہوتا ہے۔

سرلیوس مور لکھتا ہے کہ جب گوتم کی شہرت اس کے آبائی علاقے تک پہنچی تو اس کے ضعیف باپ نے اسے ایک بار دیکھنے کی خواہش ظاہر کی (چنانچہ گوتم وہاں سے روانہ ہوا اور) اس نگر کے باہر ایک کنج میں ٹھہر گیا، اس کا باپ اور رشتے دار اس سے ملنے وہاں گئے اور دوسرے دن گوتم شہر میں آیا۔

جب یشودھرا نے اپنے خوبصورت راج کمار اور سرتاج کو سر منڈائے، زرد کپڑے پہنے ہوئے سنیاسی کے روپ میں آتے ہوئے دیکھا تو اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی اور غش کھا کر

زمین پر گر پڑی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ یہ سوچنے لگی کہ اب وہ اس کا شوہر اور راج کمار نہیں ہے، اور ان دونوں کے درمیان بہت فاصلے پیدا ہو گئے ہیں تاہم اس نے بدھ کے نئے افکار کو سنا، گوتم کے افکار یشودھرا کے دل میں اتر گئے اور اس نے گوتم سے "فرقہ اناث" (بھکشنیوں کی جماعت) قائم کرنے کی درخواست کی چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور "یشودھرا" اس کی سب سے پہلی بھکشنی ہوئی، بدھ مذہب میں ایسی گوشہ نشین عورتوں کو "بیراگن" کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا راہوال بھی اس کے مریدوں میں داخل ہو گیا۔

گوتم بدھ اکیس سال تک اپنے مذہب کی تبلیغ میں سرگرمی کے ساتھ کام کرتا رہا، جب اس کی مذہبی عمر ۴۴ سال کی ہوئی تو وہ "گرگس" کے قلعے میں آیا اور ۴۵ ویں سال "بیلو گھینگ" وارد ہوا لیکن یہاں پہنچ کر وہ سخت بیمار ہو گیا اور اس کی حالت بگڑنا شروع ہو گئی۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر اس نے اپنی تجہیز و تکفین وغیرہ کے متعلق کچھ نصیحتیں کیں اور کچھ دیر خاموش رہا پھر اس کے منہ سے یہ جملہ نکلا اے درویشو! یاد رکھو کہ دنیا کی کل اشیاء پر فنا آنے والی ہے اس لئے تمہیں چاہیے کہ اپنے جذبات پر فتح پا کر حقیقی نجات حاصل کرو اور اس کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

انتقال کے وقت گوتم بدھ کی عمر ۸۰ سال تھی اور اس نے ۴۸۸ ق م میں "کُئی نارا" کے مقام پر انتقال کیا جبکہ سر لیوس مور کے بیان کے مطابق گوتم بدھ کی عمر ۸۲ سال ہوئی تھی۔

﴿بدھ مذہب کی تعلیمات﴾

گوتم بدھ نے اپنے مریدوں اور پیروکاروں کے لئے جو اصول و ضوابط بنائے تھے، انہیں چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

حصہ اول: چار سرگرم مراقبے

مراقبہ کا معنی ہے "گردن کو جھکا کر اپنے آپ کو کسی طرف متوجہ کرنا" اور یہ اس مذہب کی اہم بنیاد ہے، ان چاروں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) جسمانی کثافت پر مراقبہ۔

(۲) پُر جوش حس کی پیدا کی ہوئی برائیوں پر مراقبہ۔

(۳) خیالات کے عدم استقلال پر مراقبہ۔

(۴) ہستی کے خیالات پر مراقبہ۔

جسمانی کثافت

اصل میں کثافت کا معنی ہے بوجھل ہونا، بھاری پن، بدھ مذہب کہتا ہے کہ اپنے جسم کو گناہوں کے بوجھ سے آزاد کرنے اور اسے لطیف بنانے کے لئے مراقبہ کیا جائے تا کہ جسمانی کثافت سے چھٹکارا مل جائے، لطافتِ جسمانی کا یہ تصور اسلام میں بھی ملتا ہے اور اس کے حصول کا طریقہ بھی اسلام میں موجود ہے مثلاً ''زکوٰۃ الجسد الصوم'' لیکن فرق یہ ہے کہ گوتم بدھ کی اس تعلیم کے ساتھ وحی الٰہی کا پیوند نہیں لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے اسے وہ درجہ ہرگز حاصل نہیں جو اسلامی تعلیمات کو ہے۔

اسی طرح پر جوش حس کی برائی پر مراقبہ کی اصطلاح اسلام میں ''ضبط نفس'' کے نام سے معروف و مشہور ہے اور خیالات کے عدم استقلال پر کیا جانے والا مراقبہ اسلام میں اصطلاحِ صوفیاء کے مطابق ''ارتکاز'' کے نام سے موجود ہے اور ہستی کے وجود پر مراقبہ کی اصطلاح اسلام میں ''انخلاءِ قلبی'' کے نام سے اپنی شناخت رکھتی ہے۔

حصہ ثانی: چار بلیغ کوششیں

(۱) برائی کی پیدائش روکنے کی کوشش۔

(۲) موجودہ برائیوں کو دور کرنے کی کوشش۔

(۳) غیر موجود نیکی کو پیدا کرنے کی کوشش۔

(۴) موجودہ نیکیوں میں ترقی کی کوشش۔

اسلام نے بھی ان چاروں کوششوں کا جواز بلکہ انتہائی اعلیٰ درجہ ثابت کیا ہے اور ان چاروں کا ثبوت ہمیں قرآن کریم سے بھی ملتا ہے چنانچہ پہلی کوشش کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ (الاعلی: ۱۴)

دوسری کوشش کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾

(التحریم: ۸)

تیسری کوشش کے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات: ۵۶)

اور چوتھی کوشش کے متعلق فرمان قرآنی ہے:

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ (المائدۃ: ۴۸)

حصہ سوم: دینداری کے چار راستے

(۱) دیندار بننے کی خواہش۔

(۲) دیندار بننے کے لئے دل کی ضروری تیاری۔

(۳) دیندار بننے کے لئے ضروری جدوجہد۔

(۴) دیندار بننے کے لیے تحقیقات۔

یہ چاروں راستے بھی اسلام کے خلاف نہیں تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ دینداری وہبی چیز ہے، کسبی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اگر وہ چاہیں تو بغیر کوشش کے ہی دیندار بنا دیں البتہ اپنی سی محنت تو انسان کو کرنی چاہئے اسی طرح دیندار بننے کے لئے تحقیقات کرنے کا حکم بھی ہمیں قرآن کریم میں ملتا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ﴾ (الغاشیۃ: ۱۷ تا ۲۰)

حصہ چہارم: پانچ اخلاقی طاقتیں

(۱) ایمان (یقین)

(۲) ہمت

(۳) حافظہ

(۴) الہام

(۵) تصور (دل میں کسی چیز کا خیال آنا)

ان پانچ اخلاقی طاقتوں میں سے ''الہام'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گوتم بدھ خدا کو مانتا تھا کیونکہ جو چیز خود بخود دل میں آئے اسے ''وجدان'' کہتے ہیں اور جو کسی کی طرف سے دل میں ڈالی جائے اسے ''الہام'' کہتے ہیں اور سر لیوس مور کے مطابق گو کہ بدھ مت ناخدا پرست ہے لیکن گوتم بدھ کے نظریات میں خدا کی مخالفت کا کہیں اشارہ تک نہیں ملتا۔

حصہ پنجم: سات دانشیں (عقل مندی کی باتیں)

(۱) طاقت

(۲) نشاط

(۳) حافظہ

(۴) استراحت

(۵) تحقیقات (کتبِ مقدسہ)

(۶) سلامتِ طبع

(۷) تفکر

اسلام نے بھی ان سات چیزوں کی کسی موقع پر نفی نہیں کی اور نہ ہی یہ چیزیں خلافِ اسلام ہیں۔

حصہ ششم: آٹھ اعلیٰ طریقے اور اطوار

(۱) صدقِ عقیدت (۲) صدقِ ارادت

(۳) راست گوئی (۴) راست بازی

(۵) رزقِ حلال (۶) عزم مصمم

(۷) سچی توبہ (۸) سچا تصور

یہ آٹھ چیزیں بھی اسلام کے خلاف نہیں بلکہ اسلام نے ان کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کی ہے۔ بدھ مت میں جس شخص کو یہ چیزیں حاصل ہو جائیں اسے ''نِرْوَان'' یعنی قلبی سکون کی دولت مل جاتی ہے۔

مولانا مظہر الدین صدیقی اپنی کتاب اسلام اور مذاہب عالم ص ۲۶ اور ۲۷ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''نِرْوَان'' کس حالت کا نام ہے؟ اس پر بدھ مت کے علماء میں اتفاق رائے نہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کرْمَا یا پیدائش کے لامتناہی سلسلے کا اختتام ہے، یہ ایک انسان کی پرسکون راحت ہے جس کو دوبارہ جنم لینا پڑے گا، جس کی خواہشات بالکل فناء ہو چکی ہوں گی اور جس کی خودی یکسر مٹ گئی ہوگی، بعض لوگوں کے خیال میں یہ ہماری موجودہ زندگی کی ایک حالت ہے جب کہ ہمارا اخلاقی ارتقاء اس درجے پر پہنچ جائے کہ ہمارے اندر کوئی جذبہ اور خواہش باقی نہ ہو۔

''نِرْوَان'' حاصل کرنے کا طریقہ

گوتم بدھ نے ''نِرْوَان'' کی کیفیت حاصل کرنے کا ایک مخصوص طریقہ بیان کیا ہے اور اس نے تن پروری اور تعذیب نفس کے درمیان ''اعتدال'' کی راہ تلاش کرنے کی کوشش کی جسے اس نے چار اصولوں سے نکالا۔

(۱) تکلیف

(۲) اسبابِ تکلیف

(۳) انسداد تکلیف

(۴) طریقہء انسداد تکلیف

گوتم بدھ کے نزدیک اس راستے پر چلنے سے تمام تکالیف کا خاتمہ ہو جاتا ہے، یاد رہے کہ بدھ مذہب میں اس راستے کو طے کرنے کے لئے چار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مرحلہ نمبرا:

جس شخص کو یہ چاروں اصول معلوم ہو جائیں (اور وہ انہیں تسلیم کر لے) تو وہ گوتم بدھ کا پیروکار بن جاتا ہے، رہی یہ بات کہ ایک عام انسان کو یہ اصول کیسے معلوم ہوں گے تو گوتم بدھ کے مطابق اس کے چار ذریعے ہیں۔

(۱) نیکوں کی صحبت

(۲) محققانہ غور و خوض

(۳) مذہبی قوانین کا سماع

(۴) نیکی کی مشق

مرحلہ نمبر۲

جو شخص اپنے نفس امارہ اور غلط قسم کی دینی رسومات سے نجات حاصل کر لیتا ہے، اس مرحلے میں آ کر اس کے شہوانی جذبات اور مغالطے کافی حد تک دور ہو جاتے ہیں۔

اصل میں بات یہ ہے کہ گوتم بدھ ہندوانہ رسم و رواج کا مخالف تھا اس لئے وہ اس کے برخلاف ایک تصور پیش کرنا چاہتا تھا اسی لئے نفس امارہ سے چھٹکارا حاصل کرنا بدھ مت میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

یہاں ''نفس امارہ'' کی وضاحت سے قبل ''نفس'' کی تعریف سمجھنا ضروری ہے چنانچہ امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں نفس کی تعریف یہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں خیر اور شر چاہنے کی جو طاقت رکھی ہے اسے ''نفس'' کہتے ہیں، اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) نفس امارہ (سرکش نفس) اسے برائی میں مزہ آتا ہے۔

(۲) نفس لوامہ (ملامت کرنے والا نفس) یہ برائی پر انسان کو ملامت کرتا ہے۔

(۳) نفس مطمئنہ (اطمینان والا نفس) اسے نیکی کرنے میں مزہ آتا ہے۔

اور نفس کی ان تینوں قسموں کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ملتا ہے۔

مرحلہ نمبر۳:

گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق اس مرحلے میں آکر انسانی دل سے دنیاوی خواہشات کی میل کچیل، نفس پرستی، حسد اور بغض کافی حد تک دور ہو جاتا ہے اور انسان شیطان کے تسلط سے آزادی حاصل کر لیتا ہے۔

مرحلہ نمبر۴:

گوتم بدھ کے مطابق اس مرحلے میں آکر انسان کو گیان (معرفت) کی دولت حاصل ہو جاتی ہے، اسے اطمینانِ قلب ملتا ہے اور وہ دنیا کی چیزوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے اسی کو "نِرْوَان" کہا جاتا ہے۔

گوتم بدھ کے پیروکار

گوتم بدھ کے پیروکاروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک گروہ "درویشوں کا گروہ" کہلاتا ہے اور دوسرا "دنیاداروں کا گروہ" کہلاتا ہے۔

لفظ درویش کی وضاحت

اس لفظ کو دال کے فتحہ کے ساتھ "دَرویش" بھی پڑھا گیا ہے اور دال کے ضمہ کے ساتھ "دُرویش" بھی، پہلی صورت میں "دَر" کا معنی ہے دروازہ اور "ویش" کا معنی ہے پھرنے والا، فقیر تو "دَرویش" کا معنی ہوا در در پھرنے والا فقیر، اور اگر دوسری صورت ہو جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے تو پھر "دُر" کا معنی ہوگا موتی اور "ویش" کا معنی چننے والا تو مطلب ہوا "موتی چننے والا"

بدھ مذہب کے درویشوں میں شامل ہونے کی شرائط

کسی بھی شخص کے لئے بدھ مذہب کے درویشوں میں شامل ہونے کے لئے درج ذیل شرائط پر پورا اترنا ضروری ہے۔

(۱) وہ شخص کسی متعدی (دوسروں کو لگ جانے والی) بیماری میں مبتلا نہ ہو۔

(۲) ں ہ غلام اور مقروض نہ ہو۔

(۳) والدین کی رضامندی کا ہونا بھی ضروری ہے۔

(۴) سر منڈوا کر، نارنجی کپڑے پہن کر گوشہ نشینی اختیار کرنا۔

(۵) شراب نوشی قطعی طور پر ممنوع سمجھنا۔

(۶) کھانا حاصل کرنے کے لئے لوگوں کے دروازے پر جانا اور در بدر پھر کر رزق جمع کرنا۔ اس کا طریقہ بدھ مذہب کے مطابق یہ ہے کہ درویش گھر کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو جائے، اگر وہ کچھ دے دیں تو لے لے ورنہ آگے چلا جائے اور جب اتنی مقدار جمع ہو جائے جو کھانے کے لئے کافی ہو تو واپس اپنی رہائش گاہ کی طرف لوٹ جائے۔

(۷) صبح ہونے سے پہلے اپنی ''خانقاہ'' میں جھاڑو دینا اور اس کے بعد تزکیہء نفس کے لئے ایک کونے میں بیٹھ کر ذکر خداوندی میں مشغول ہو جانا۔

(۸) درویش کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خانقاہوں میں رہے اور بالکل سادہ زندگی بسر کرے۔

(۹) اس کی عمر پندرہ سال سے کم نہ ہو۔

(۱۰) وہ نامرد نہ ہو۔

(۱۱) حکومتی اہلکار مثلاً فوجی اور سپاہی نہ ہو۔

(۱۲) مجرم یا سزا یافتہ چور نہ ہو۔

درویشوں کی ذمہ داریاں

بدھ مذہب میں درویشوں کی تین ذمہ داریاں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) علم حاصل کرنا۔

(۲) وہ دنیا دار جو درویش تو نہیں بن سکے لیکن دین دار بننا چاہتے ہیں انہیں تعلیم دینا۔

(۳) نجات حاصل کرنے کے لئے محنت کرنا۔

درویشوں کے دن رات کے معمولات

بدھ مذہب میں درویشوں کے شب وروز کے معمولات حسب ذیل ہیں۔

صبح صادق کے وقت بیدار ہوتے، خانقاہ کو صاف کرتے، پھر ذکر خداوندی میں مشغول ہو جاتے، اس کے بعد ایک جھولی نما کپڑا لے کر اپنے امیر کے ہمراہ بھیگ مانگنے کے لئے چلے جاتے۔ پھر سارے درویش اپنی جھولی میں جمع شدہ سارا سامان لا کر ایک جگہ رکھ دیتے۔ اس کے بعد پڑھنا لکھنا شروع کر دیتے اور اپنے استاد سے گیان (معرفت) کی باتیں پوچھتے، سورج غروب ہونے کے بعد خانقاہ کی صفائی کرتے، چراغ جلاتے اور اپنے امیر کے ساتھ مل کر انسانوں کے دل کو پاک کرنے اور دین پھیلانے کی تلقین کرتے۔

دنیا داروں کے فرائض

بدھ مذہب کے پیروکار دنیا داروں کے ذمے تین کام ہیں جنہیں وہ باقاعدگی سے پورا کرتے ہیں۔

(۱) درویشوں سے علم سیکھنا۔

(۲) گھریلو فرائض سرانجام دینا۔

(۳) درویشوں کے کھانے پینے کا بندوبست کرنا۔

بدھ مت کی مذہبی کتابیں

بدھ مت کے راہنماؤں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گوتم بدھ نے کوئی تحریر شدہ کتاب نہیں چھوڑی، اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ گوتم بدھ کے شاگردوں نے اپنے استاد کے ملفوظات اور تقاریر کو سن کر زبانی یاد کیا اور پھر انہیں آگے دوسروں تک منتقل کر دیا اور اس کے لئے انہوں نے ''الفاظ'' کی جکڑ بندی کے بجائے اس کے مفہوم پر زیادہ توجہ دی اور اسی کو آگے پہنچا دیا۔

گوتم بدھ کی وفات کے کئی صدیوں بعد اس مذہب کی کتابوں کو مرتب کیا گیا اس لیے بدھ مت کی موجودہ کتابوں میں گوتم بدھ ہی کے الفاظ ہونا یقینی نہیں اور اس کی ایک دوسری مضبوط دلیل یہ بھی ہے کہ بدھ مت کے موجودہ فرقوں اور مذہبی کتابوں میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں گوتم بدھ کے اپنے الفاظ موجود نہیں۔

اس وقت پوری دنیا میں بدھ مذہب کا سب سے بڑا فرقہ ''ہنا ئنا یا ہنا یانا'' ہے جس کا اپنا دعوی ہے کہ ہم نے گوتم بدھ کی وفات کے ۴۵۰ سال بعد ''پالی'' زبان میں گوتم بدھ کے عقائد اور اصولوں کو مرتب کیا تھا جس کا اصل نام ''تی پِتا کا'' ہے اصل میں یہ کتاب چند کتابوں کا مجموعہ ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) دینہ پِتا کا۔ اس کتاب میں وہ اصول وضوابط موجود ہیں جو گوتم بدھ نے ''پروہتوں'' کے لئے وضع کیے تھے۔

(۲) سِتا پِتا کا۔ یہ کتاب گوتم بدھ کے مواعظ اور ملفوظات پر مشتمل ہے جسے ''انند'' نے مرتب کیا تھا۔

(۳) اِبھی دِھُما پِتا کا۔ اس کتاب میں گوتم بدھ کی نفسیاتی اور مذہبی تعلیم موجود ہے۔

یاد رہے کہ ان تینوں کتابوں کی بنیاد ان روایات اور اقوال پر ہے جو گوتم بدھ نے ''راج گڑھ'' کے مقام پر منعقد کی جانے والی مجالس میں بیان کیے تھے۔

ان تینوں کتابوں کے علاوہ گوتم بدھ کے ایک شاگرد نے اس کے نظم وضبط سے متعلق اصولوں کو جمع کر کے تحریری شکل دی جسے بعد میں ''دِنا پِتا کا'' کے نام سے شہرت ملی۔

انند کی مرتب کردہ کتاب ستا پتا کا کو بدھ مذہب میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور جدید دور کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اس کا ایک خلاصہ تیار کیا گیا ہے جس کا نام ''دِھُمَہ پِتا'' ہے یوں سمجھ لیجئے! کہ یہ کتاب بدھ مت کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔

جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا کہ اس وقت بدھ مذہب کا سب سے بڑا فرقہ ''ہنا ئنا یا ہنا یانا'' ہے جس کی کتابیں سب سے پہلے پالی زبان میں لکھی گئیں، اس کے بعد سنسکرت، تبت، چین اور جاپان کی لغات میں اس کے تراجم کیے گئے جن کی تدوین کچھ ہی عرصہ قبل

ہوئی ہے، ان کی چند مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) دَمندسترا (۲) لنکاوترا استرا

(۳) سُورنگماسترا (۴) سِکھاوتی یواسترا

﴿بدھ مذہب کی اہم تعلیمات﴾

بدھ مذہب میں عام دنیادار کیلئے اخلاقی ضابطے:

ہر مذہب میں دنیاداروں کیلئے کچھ نہ کچھ اخلاقی ضابطے ہوا کرتے ہیں جن کی وہ پابندی کرنا خود بھی ضروری سمجھتے ہیں اور مذہب بھی انہیں اس کا پابند کرتا ہے چنانچہ بدھ مذہب میں بھی ان کے لئے کچھ اخلاقی ضابطے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) کسی جانور کو قتل نہ کریں۔

(۲) نہ خود چوری کریں، نہ کسی کو کرنے دیں۔

(۳) زنا کاری سے بچیں۔

(۴) جھوٹ سے بچیں۔

(۵) منشی اشیاء سے بچیں۔

اس کے علاوہ تین قانون اور دیئے گئے ہیں جو بہت ضروری مانے گئے ہیں لیکن وہ کٹر مذہبی اور گرہست کیلئے ہیں جو یہ ہیں۔

(۱) رات کو دیر سے کھانا نہیں کھانا چاہیے۔

(۲) مالا پہننے اور خوشبو لگانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(۳) زمین پر سونا نہیں چاہیے۔

والدین اور اولاد کے فرائض

(۱) برے کاموں سے اولاد کو روکیں۔

(۲) خود بھی نیکی کریں اور اپنی اولاد کو بھی اس کی تلقین کریں۔

(۳) اپنی اولاد کو علوم و فنون کی تعلیم دیں۔

(۴) لڑکوں کے لئے شریف بیویاں اور لڑکیوں کے لئے شریف شوہر تلاش کریں۔

(۵) اپنی اولاد کو ورثہ اور ترکہ دیں۔

اولاد کے ذمے والدین کے متعلق حسب ذیل فرائض ہیں۔

(۱) والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں۔

(۲) ان کی جائیداد کی حفاظت کریں۔

(۳) اپنے آپ کو ان کا وارث ہونے کا لائق بنائیں۔

(۴) ان کی موت کے بعد عزت سے ''دھیان'' کریں۔

شاگردوں کے فرائض

(۱) شاگرد اپنے استاد کی تعظیم کریں۔

(۲) اس کے سامنے ادب سے کھڑے ہوں۔

(۳) اپنے استاد کے نائب کے طور پر کام کریں۔

(۴) اپنے استاد کے نیک اعمال کی پیروی کریں۔

(۵) استاد کی ضروریات پوری کریں۔

(۶) اساتذہ کی نصیحتوں اور ان کی تعلیمات پر عمل کریں۔

استاد کے فرائض

(۱) استاد اپنے شاگردوں کو ایسی تعلیم دیں جس سے پائیدار علم حاصل ہو۔

(۲) اچھی اور نیک باتیں انہیں سکھائیں۔

(۳) شاگردوں کو عقل و شعور کی باتیں سکھائیں۔

(۴) اپنے شاگردوں کے متعلقین سے حسن سلوک سے پیش آئیں۔

شوہر کے فرائض

(۱) بیوی کے ساتھ باعزت سلوک سے پیش آئے۔

(۲) بیوی کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

(۳) بیوی کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔

(۴) دوسروں سے عزت کرائے۔

(۵) مناسب کپڑے اور زیورات دے۔

بیوی کے فرائض

(۱) امور خانہ داری کو اچھے طریقے سے سرانجام دے۔

(۲) شوہر کے رشتہ داروں کی عزت کرے۔

(۳) شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی عصمت کی حفاظت کرے۔

(۴) کفایت شعاری سے کام لے۔

(۵) تمام کام عقل مندی اور ہوشیاری سے سرانجام دے۔

دوستوں کے فرائض

(۱) دوستوں کو ہدیہ اور تحفہ دے۔

(۲) شائستگی کے ساتھ ان سے گفتگو کرے۔

(۳) دوستوں کی دلچسپی اور ان کے مقاصد کو بڑھاتا رہے۔

(۴) دوستوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرے۔

(۵) اپنی خوشی میں دوستوں کو شریک کرے۔

(۶) دوست کی غیر موجودگی میں اس کے گھربار کی نگرانی کرے۔

(۷) خطرے کی حالت میں اسے پناہ دے۔

(۸) دوست کے اہل وعیال کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔

آقا کے فرائض

(۱) اپنے نوکروں کو ان کی استعداد کے مطابق کام دے۔
(۲) انہیں اچھا کھانا اور تنخواہ دے۔
(۳) بیماری کی حالت میں ان کا دکھ درد بانٹے۔
(۴) انہیں عمدہ اور بہترین چیزیں دیتا رہے۔
(۵) کبھی کبھار انہیں چھٹی بھی دے دیا کرے۔

نوکروں کے فرائض

(۱) آقا سے پہلے بیدار ہو۔
(۲) اس کے سونے کے بعد سوئے۔
(۳) اس کے دیئے ہوئے پر قناعت کرے۔
(۴) اس کی تعریف کرتا رہے۔

بدھ مذہب کے مختلف عقائد

بدھ مت کی موجودہ تعلیمات کے مطابق گوتم بدھ کی باتوں میں ''خدا'' کا تذکرہ ملتا ہے جسے وہ ''اِیسانا'' کہتے ہیں چنانچہ ''اشوک'' کے جو کتبے دریافت ہوئے ہیں ان میں سے ایک کتبے پر یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ''خدا (اِیسانا) پر ایمان لاؤ، اس کی ہستی کا اقرار کرو، کیونکہ وہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی اطاعت اور فرماں برداری کی جائے۔''

روح سے متعلق بدھ مت کا عقیدہ

روح سے متعلق گوتم بدھ کے عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے ''شرد ہے پرکاش دیو جی'' لکھتا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے جسم کی مثال اس مہمان کی طرح ہوتی ہے جو اپنے میزبان سے رخصت ہوتے وقت اس کے گھریلو حالات کو زمانہ گذشتہ سمجھ کر وہیں چھوڑ جاتا ہے، لیکن یاد رہے کہ اس کی روح مرتی نہیں بلکہ ایک اور اعلیٰ

زندگی اسے حاصل ہو جاتی ہے۔

فرشتوں سے متعلق عقیدہ

گوتم بدھ کے ایک مشہور شاگرد ''اشوک'' کے لکھے ہوئے جو کتبے دریافت ہوئے ہیں وہ پالی زبان میں پتھروں پر لکھے ہوئے ہیں جسے سب سے پہلے ''پر نسب'' نے پڑھا تاہم اب عربی زبان میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں، ان کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گوتم بدھ ''دیوتاؤں'' کا قائل تھا لیکن وہ ہندوؤں کی طرح ان کی کیفیات بیان نہیں کرتا تھا بلکہ وہ ان کا تذکرہ ان صفات سے کرتا تھا جو فرشتوں میں پائی جاتی ہیں چنانچہ ان کی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ ایک ''سورگی دیوتا'' ہے جس کا روشن چہرہ اور لباس برف کی طرح سفید تھا، اسی طرح لکھا ہے کہ ایک برہمن گوتم بدھ کے پاس آیا اور اخلاقیات کے متعلق چند سوالات کیے اور عمدہ جواب پا کر وہاں سے غائب ہو گیا۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ آسمان اور اس کی بلندیوں میں دیوتا بھرے ہوئے ہیں، سب سے اوپر ''برہما'' کا عرش اور اس کے دیوتا ہیں۔

قیامت سے متعلق عقیدہ

اشوک کے نزدیک گوتم بدھ قیامت کا قائل تھا، سنگی کتبہ چہارم میں لکھا ہے کہ میری اولاد اور جانشین قیامت تک اگر میری اتباع کریں تو وہ قابل تعریف کام کریں گے۔ لیکن جو اس فرض کا ایک حصہ بھی چھوڑ دے وہ قبیح فعل کا مرتکب ہوگا۔

حیات بعد الموت سے متعلق عقیدہ

اشوک کے دریافت شدہ کتبوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مت میں حیات بعد الموت کا عقیدہ موجود ہے، سنگی کتبے میں لکھا ہے کہ میں اپنی کوششوں اور کام کی رفتار سے کبھی بھی مطمئن نہیں رہتا کیونکہ میں ساری دنیا کی خبر گیری کو اپنے لئے ایک مقدس فریضہ سمجھتا ہوں تاکہ میں لوگوں کیلئے دنیا میں خوشی کا سبب بن سکوں اور تاکہ لوگ دوسری دنیا میں بہشت حاصل کریں۔

﴿بدھ مذہب کا اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ﴾

(۱) مرکزی نقطہ نظر

گوتم بدھ نے رسوم وعبادات کو بغیر نفس کی اصلاح کے بے کار قرار دیا ہے، اور گوتم بدھ کے پیغام کا مرکزی نقطہ نظر اصلاح تھا جبکہ اسلام میں محض رسومات کا انکار کیا گیا ہے اور جن عبادات کو فرض قرار دیا گیا ہے، ان کا مقصد تقویٰ اور اصلاح ہے۔

(۲) خواہشات نفسانی

گوتم بدھ نے حرص وہوی کو تمام تکالیف اور مصائب کا سرچشمہ قرار دیا ہے اسی لیے گوتم بدھ اپنے پیروکاروں کو حکم دیتا تھا کہ حرص وہوی کی سرکش اونٹنی کو ذبح کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خواہش نفس کو کچلنے کے بجائے اسے دین اسلام کے تابع کرنے کا حکم دیا ہے اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

﴿لا یومن احدکم حتی یکون هواه تبعالما جئت به﴾

اور جو شخص اپنے نفس کی پیروی کرے، اسلام میں اسے گناہ گار اور نادان انسان قرار دیا گیا ہے۔

(۳) اتفاقیات

گوتم بدھ نے مثبت راہ تعلیم کے بھی اصول بتائے ہیں یعنی صدق عقیدت، صدق ارادہ، راست گوئی اور راست بازی وغیرہ مفہوم کے اعتبار سے راہ تعلیم کے یہ اصول اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں اور اسلام بھی ان چیزوں کی ترغیب دیتا ہے۔

اسی طرح گوتم بدھ نے زنا، چوری، نشہ، اور رقص وغیرہ پر پابندی لگائی ہے، اور جانوروں کو اذیت دینے سے منع کیا ہے کیونکہ اس کے نزدیک یہ چیزیں سچی راحت حاصل کرنے میں رکاوٹ ہیں اور اسلام نے بھی ان چیزوں سے منع کیا ہے، تاہم موذی جانوروں کو مارنا اسلام میں جائز ہے، بدھ مت میں یہ بھی جائز نہیں۔

(۴) اطمینان کیسے حاصل ہو؟

گوتم بدھ کی تعلیمات کا اصل مقصد ''نروان'' یعنی اطمینان قلب کا حصول ہے جو خواہشات کو ختم کر کے ہی حاصل ہوسکتا ہے جبکہ اسلام میں گو اطمینان قلب کی اہمیت مسلم ہے لیکن اس کے حصول کا ذریعہ ''ذکر الٰہی'' میں مشغولیت ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ بدھ مت میں خواہشات کو کچل کر ختم کرنا اور اطمینان قلب حاصل کرنا مقصود بالذات ہے جبکہ اسلام کا نظریہ اس سے پہلے واضح ہو چکا ہے اور نروان حاصل کرنے کا وہ طریقہ جو بدھ مت میں ہے، اسے غیر فطری قرار دیا گیا ہے۔

(۵) رہبانیت

گوتم بدھ اپنے پیروکاروں کو رہبانیت کی تعلیم دیا کرتا تھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور اعزہ واقرباء سے کٹ کر خانقاہوں میں رہ پڑیں جبکہ اسلام رہبانیت کا شدید مخالف ہے اور اس نے رہبانیت کو اہل کتاب کی ایجاد کردہ بدعت قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی ہے اور اسلام کا دم بھرنے والوں کو معاشرتی زندگی اور ادائیگی حقوق وفرائض سے بھرپور زندگی گذارنے کا درس دیا گیا ہے۔

(۶) بھکاری پن

گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق اس کے وہ پیروکار جو درویشانہ زندگی گذارنا چاہتے ہیں ان کے لئے در بدر بھیک مانگتے پھرتے رہنا ضروری ہے، جبکہ اسلام میں ہر شخص کو اپنے ہاتھ کی کمائی کھانے کی تلقین کرتے ہوئے بھیک مانگنے کی سخت مذمت کی گئی ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

﴿الکاسب حبیب اللہ﴾

بلا ضرورت ومجبوری کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے والے کے متعلق ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ایسے شخص کے چہرے پر قیامت کے دن گوشت نہیں ہوگا۔

(۷) متعدی امراض

بدھ مت میں درویش بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شخص کسی متعدی مرض میں مبتلا نہ ہو جب کہ اسلام میں بیمار اور تندرست کی کوئی تفریق نہیں اور اسلام نے نظریہء چھوت چھات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

(۸) شرائط داخلہ

بدھ مت میں درویش بننے کے لئے جن شرائط کا تذکرہ آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ کر آئے ہیں، اسلام نے کبھی بھی انہیں تحریری طور پر تو درکنار، زبانی طور پر بھی بیان نہیں کیا اور نہ ہی ان کا اعتبار کیا ہے بلکہ صرف اتنا کہا ہے کہ قبولیت اسلام کے لئے تصدیق قلبی کے ساتھ ساتھ توحید و رسالت کا زبانی اقرار کر لینا کافی ہے۔

فائدہ

یاد رہے کہ بدھ مذہب میں مردے کو زمین ہی میں دفن کر کے اوپر سے مٹی برابر کر دی جاتی ہے اور اوپر گول سا کتبہ لگا دیا جاتا ہے، ایصال ثواب بھی جائز ہے جو باقاعدہ خدا کا نام لیکر کیا جاتا ہے، اور یہ لوگ حلال چیزیں ہی کھاتے ہیں خنزیر اور دوسرے درندے یہ لوگ بالکل نہیں کھاتے اس لیے عین ممکن ہے کہ یہ لوگ بھی اہل کتاب ہوں۔

بدھ مت کے پیروکار کتنے اور کہاں ہیں؟

پوری دنیا میں بدھ مت کے پیروکار اڑھائی یا تین کروڑ ہیں اور اگر اس کے تمام فرقوں کو ملا کر ان کی مجموعی تعداد شمار کی جائے تو وہ پچاس کروڑ بنتی ہے، سرکاری طور پر یہ مذہب تبت میں رائج ہے، اس کے علاوہ چین، جاپان، کوریا، سنگاپور، اور سری لنکا وغیرہ میں بھی ان کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔

باب سوم

سکھ مت

بانی مذہب اور مذہب کی نقاب کشائی،
تعلیمات واحکامات، مذہبی کتابیں، مختلف فرقے
اور اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب سوم

﴿سکھ مت﴾

یہ کوئی بہت زیادہ قدیم مذہب نہیں بلکہ اس کا شمار دنیا کے جدید ترین مذاہب میں ہوتا ہے کیونکہ اس کا نقطہ آغاز سولہویں صدی عیسوی ہے اور اس کا اصل ماخذ ''ہندومت'' ہی ہے تاہم سکھ مت کی کوشش رہی ہے کہ وہ دیگر مذاہب کے عناصر سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کے عناصر کو بھی اپنے اندر جذب کرے جیسا کہ عنقریب تفصیلات آتی ہیں۔

سکھ مت کی حقیقت

سکھ مت کے بارے آج کل دو نظریئے پائے جاتے ہیں، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ سکھ مت ایک جدید اور خود مختار مذہب ہے اور مذاہب عالم میں اسے بھی ایک مستقل مذہب کی حیثیت حاصل ہے جبکہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ مذہب نہیں بلکہ یہ ''ہندومت'' کی ایک ''اصلاحی تحریک'' کا نام ہے جس نے ہندوانہ عقائد اور نظریات کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور ان کا نصب العین ہندوؤں کے مذہبی عقائد کی تطہیر تھا۔

سکھ مت کا بانی

سکھ مت کے حقیقی بانی کا نام ''بابا گرونانک'' ہے جو شیخوپورہ کے ایک قصبے تلونڈی میں پیدا ہوئے جس کا موجودہ نام ''ننکانہ صاحب'' ہے ان کے والدین مذہبی طور پر ہندو تھے، ابتدائی تعلیم بالکل حاصل نہیں کی لیکن اس کے باوجود مذہب اور شعر و شاعری سے بہت لگاؤ تھا، کاروباری اور عملی زندگی سے گھبراتے تھے، مجبور ہو کر والدین نے بارہ سال کی عمر میں شادی کر دی جس سے ان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔

ملازمت

اب جب اولاد کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر پڑی تو انہیں روزگار کی فکر ہوئی اور اپنے والد کی کوششوں سے سلطان پور کے نواب دولت علی خان کے یہاں ''گھریلو سازوسامان کے محافظ'' مقرر ہو گئے، اور ایک طویل عرصہ اس پیشے سے وابستہ رہے، تاہم اس دوران انہیں جب بھی فرصت ملتی تو وہ اپنے دل کو تسکین دینے کے لئے جنگلات میں جا کر مراقبہ میں مشغول ہو جاتے۔

تیس سال کی عمر میں

جب بابا نانک کی عمر تیس سال کے قریب پہنچی تو ''سکھوں کی روایات کے مطابق'' انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا اور انہیں ''پیغمبر'' کے طور پر منتخب کر لیا گیا، پیغمبری کا عہدہ ملنے کے بعد انہوں نے ملازمت کو خیر باد کہا اور در بدر پھر کر اپنے عقائد کا پرچار کرنے لگے۔

حج

اس دوران انہوں نے ہندوستان، ایران اور افغانستان وغیرہ کا بھی سفر کیا اور لوگوں کے سامنے اپنی تعلیمات پیش کیں اور مشہور ہے کہ دوران سیاحت بابا نانک مکہ مکرمہ بھی آئے اور حج بھی کیا گو کہ تاریخی طور پر اسکے ٹھوس شواہد مہیا نہیں ہو سکے، تاہم پروفیسر لیوس مور نے ان کے حج کرنے کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے اور پروفیسر لیاقت علی عظیم نے بھی مکہ مکرمہ کی زیارت کو ثابت کیا ہے، اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر لازمی طور پر یہ بات بھی ماننا پڑے گی کہ بابا نانک مسلمانوں کی دیکھا دیکھی افعال سرانجام دیتے رہے ہوں گے جس میں ان سے بعض اوقات فحش غلطیاں بھی ہوئی ہوں گی، اور لوگوں نے ان کی مخالفت بھی کی ہو گی، اور یہ بات ایک لازمی نتیجہ کے طور پر صرف ہمارا خیال نہیں بلکہ اس کی تائید پروفیسر لیوس مور کے اس بیان سے ہوتی ہے۔

''اپنے سفر کے دوران نانک نے مکہ میں حج ادا کیا، اگرچہ مسلمانوں کی

عبادت گاہ کے لئے مناسب تعظیم ادا کرنے پر رضا مند نہ ہونے کی وجہ سے وہاں مخالفت مول لی۔'' (مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا، ص ۲۵۳)

وفات

گرونانک کا انتقال ستر سال کی عمر میں ۱۵۳۹ء میں ہوا، اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے اپنے ایک مخلص مرید ''انگد'' کو اپنے جانشین کی حیثیت سے نامزد کیا اور جانشینی کا یہ سلسلہ چلتا رہا چنانچہ ''انگد'' نے اپنے بعد ''اَمَرُ داس'' کو اپنا جانشین قائم کیا اور اس نے شہنشاہ اکبر سے اپنے تعلقات استوار کیے، امرداس کے بعد اس کا داماد اور مرید ''رام داس'' جانشین مقرر ہوا، ان کا سب سے آخری گرو گووند سنگھ تھا جس نے مرتے وقت اپنا جانشین نامزد کرنے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ ''گرنتھ کو اپنا آئندہ گرو اور رب تعالیٰ کو اپنا واحد محافظ تصور کریں۔''

سکھ مت کی تعلیمات

سکھ مت کی تعلیمات میں جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ ''اخوت اور مساوات کا پرچار'' ہے اور یہ جملہ گرونانک ہی کا ہے، ''کوئی مسلم ہے نہ کوئی ہندو''، سکھ مت بت پرستی کی شدید مذمت کرتا ہے، سکھ اس زعم میں مبتلا ہے کہ ہندو مت اور اسلام دونوں افراط وتفریط کا شکار ہیں۔

گیارہ اہم اصول

سکھ مت بنیادی طور پر خدا کا منکر نہیں اور نہ ہی کسی کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی تلقین کرتا ہے، چنانچہ اس کے مندرجہ ذیل اہم اصول اور تعلیمات اس کی دلیل ہیں۔

(۱) توحید کا تصور

سکھ مت کا نظریہ توحید اسلامی نظریہ توحید سے چنداں مختلف نہیں چنانچہ بابا

گرونا نک ''معبود'' کا تصور پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے، اس کا نام سچا ہے، وہی قادر و فاعل مطلق ہے، وہ بے خوف ہے، اس کی کسی سے دشمنی نہیں، وہ ازلی اور ابدی ہے، بے شکل وصورت ہے، قائم بالذات ہے اور خود اپنی توفیق و رضاء سے حاصل ہوتا ہے وغیرہ۔

(۲) عشق الٰہی کا تصور

بابا گرونا نک بنیادی طور پر خود بھی عشق خداوندی کے جذبے سے سرشار تھے اور معبود حقیقی کا تصور پیش کرنے کے بعد وہ اپنے پیروکاروں سے بھی اسی چیز کا مطالبہ کرتے ہیں۔

(۳) تزکیہ نفس کا تصور

گرونا نک نے اپنی تعلیمات اور اپنے شاعرانہ کلام میں تزکیہ نفس کیلئے انانیت، خواہشات نفسانی، حرص وطمع، دنیا سے تعلق اور غصہ وغیرہ سے اپنے آپ کو دور رکھنا ضروری قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے انسان کا مَن پاک نہیں ہوسکتا۔

(۴) ذکر الٰہی کا تصور

سکھ مت میں ''ذکر الٰہی'' کو ''نام سمرن'' کہا جاتا ہے جس کا ایک عام طریقہ ''واہگوری'' ہے یعنی اپنے تمام مشاغل میں مصروفیت کو برقرار رکھتے ہوئے ہر حال میں چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کیا جائے اور اس کا خاص طریقہ سکھ مت میں یہ ہے کہ صبح سویرے نہار منہ اٹھ کر غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر گرنتھ کا منتخب کلام پڑھا جائے اور بعض سکھ ''نام سمرن'' کیلئے تسبیح بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۵) نیک محبت، خدمت خلق اور رزق حلال کا تصور

بنیادی طور پر ان تینوں چیزوں کا وجود اسی معاشرے کے افراد کے ساتھ ہوسکتا ہے جو معاشرے کا حصہ بنتے ہوئے ان کاموں کو سرانجام دیں۔ رہبانیت زدہ افراد یقیناً

سچی محبت، خدمت خلق اور کسب حلال کے تصور سے بھی ناآشنا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بابا گرونانک رہبانیت کے سخت خلاف تھے۔

(۶) تصور رسالت

پروفیسر لیاقت علی عظیم ''جنم ساکھی ولایت والی ص ۲۴۷'' کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

''م'' محمد من تول من کتاباں چار، من خدائے رسول نوں سچا ای دربار یعنی ہر ایک انسان کیلئے اللہ واحد کی توحید کے ساتھ ساتھ اس کے عمل رسالت کو ماننا ضروری ہے۔'' (مذاہب کا تقابلی مطالعہ ص ۴۵۵)

(۷) ارکان اسلام کا تصور

سکھوں کی مذہبی مقدس کتاب ''گرنتھ'' کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کی خاطر گرونانک نے اذان بھی دی، نماز بھی پڑھی، لوگوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی اور روزے رکھنے کی تلقین بھی کی اور خود حج بھی کیا۔

(۸) قرآن کریم کا تصور

قرآن کریم سے متعلق گرونانک کے الفاظ کسی قسم کی بے ادبی لیے بغیر اس کی تعریف پر مشتمل ہیں اور ان کا کہنا یہ ہے کہ میں نے تورات، زبور، انجیل اور ویدیں سب ہی پڑھی اور سنی ہیں لیکن قرآن کریم جیسی کتاب اس روئے زمین پر نہیں اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے کل کائنات کی ہدایت کیلئے منتخب فرمایا ہے اسی لیے تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ گرونانک اپنے ساتھ سفر میں ہمیشہ قرآن کریم کا ایک نسخہ رکھا کرتے تھے جو ضلع فیروزپور کے گوردوارے میں آج بھی موجود ہے۔

(۹) قیامت کا تصور

قیامت سے متعلق گرونانک کا عقیدہ اسلامی نظریہ قیامت سے قطعاً مختلف نہیں

اور وہ بھی زوال وفناء دنیا کے اسی طرح قائل ہیں جیسے مسلمان۔

(۱۰) آواگون کا تصور

تناسخ اور آواگون کے سلسلے میں گرونانک نے ہندوانہ عقیدے کو ترجیح دیتے ہوئے اسی کو اختیار کیا ہے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان مختلف شکلوں میں بار بار جنم لیتا رہے گا۔

(۱۱) گرو کا تصور

گرونانک کا عقیدہ ہے کہ عشق الٰہی کے حصول اور خدا تک رسائی کیلئے کسی نہ کسی پیرو مرشد اور گرو سے قلبی ارادت کا تعلق ہونا ضروری ہے ورنہ ان چیزوں کا حصول ممکن نہ ہوگا۔

﴿سکھوں کی مذہبی کتابیں﴾

سکھوں کی مذہبی مقدس کتاب کا نام ''گرنتھ'' ہے جسے سکھوں کے پانچویں گرو ارجن نے لکھا تھا، اس کے پہلے حصے کا پورا نام ''آدی گرنتھ'' ہے۔ اس میں نانک کے زمانے سے پہلے مصلحین اور ان کی تصانیف کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔

گرنتھ مکمل طور پر نظم میں لکھی گئی ہے، البتہ نظم میں اس چیز کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی کہ تمام تر اشعار ایک ہی ''وزن'' پر ہوں۔ اس کا اکثر حصہ قدیم ہندی رسم الخط گرمکھی میں تحریر شدہ ہے اور کچھ حصہ دوسری زبانوں میں بھی ہے۔

گرنتھ کے دوسرے حصے کو ''دسم گرنتھ'' کہتے ہیں جسے گووندسنگھ نے مرتب کیا تھا۔ اس میں زیادہ تر اشعار اللہ تعالیٰ کی تعریف پر مشتمل ہیں اور کچھ ہندی شعراء کا متفرق کلام بھی پایا جاتا ہے۔

گرنتھ کے کل اشعار کی تعداد ۳۳۸۴ ہے اور رگ وید سے سائز میں تین گنا بڑی ہے اور اس میں بعض اشعار ایسے بھی ہیں جو تعلیمات قرآنی کے یکسر مخالف ہیں۔

سکھوں کے فرقے

سکھوں میں بہت سے فرقے سکھ مت کا ارتقائی شاخسانہ ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) نانک پنتھی

اس فرقے کے لوگ جنگجو اور لڑاکا نہیں ہوتے، تمباکو نوشی ان کے یہاں ممنوع نہیں اور نہ ہی یہ لوگ لمبے لمبے بال رکھنے پر اصرار کرتے ہیں اور داڑھی منڈوانے کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲) اداسی فرقہ

اس فرقے کے لوگ رہبانیت پسند ہوتے ہیں اور ان کے اصول وعقائد میں ہندوؤں کے راہبانہ عقائد کی بہت زیادہ جھلک پائی جاتی ہے کیونکہ ''اداسی'' کا معنی ہی تارک دنیا ہے اسی وجہ سے یہ لوگ شادی بھی نہیں کرتے اور بھکشوؤں کی طرح کھر درے پیلے کپڑے پہنتے ہیں یا پھر جوگیوں کی طرح رہتے ہیں۔

(۳) اکالی فرقہ

''اکال'' کا معنی ہے ''اللہ'' یعنی خدا کی پوجا کرنے والا فرقہ اس فرقے کے لوگ انتہائی جنگجو ہوتے ہیں اور دوسرے فرقوں کی نسبت زیادہ کٹر عقائد کے حامل ہوتے ہیں۔

(۴) بندہ پنتھی

اس فرقے کے لوگ ''بندائی'' بھی کہلاتے ہیں جنہوں نے ''بندہ'' نامی شخص کو اپنا گیارھواں گرو تسلیم کرلیا تھا اور اب اسی کے عقائد کی راہنمائی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

(۵) مذہبی فرقہ

اسے عام تلفظ میں عوام ''مزبی فرقہ'' بھی کہہ دیتے ہیں اس فرقے کے لوگ ایک خاص رسم کے ذریعے سکھ مت میں داخل ہوتے ہیں اس لئے انہیں یہ نام دیا گیا ہے۔

(۶) رام داسی فرقہ

اس فرقے کے لوگ سب سے پہلے گرو رام داس کے ہاتھ پر سکھ مت قبول کر کے اس میں داخل ہوئے تاہم یہ بھی اس خاص رسم کی ادائیگی ضرور کرتے ہیں جو مذہبی فرقے کے لوگ سرانجام دیتے ہیں۔

سکھ مت میں داخل ہونے کا طریقہ

سکھوں میں یہ بات مشہور ہے کہ کوئی بھی شخص سکھ خاندان میں پیدا ہونے کی وجہ سے سکھ نہیں ہوتا بلکہ جب وہ عمر کے پختہ حصے کو پہنچ جائے تو ایک مخصوص رسم کے ذریعے وہ سکھ مت میں داخل ہوسکتا ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک پیالے میں میٹھا پانی لے کر اس پر کرُ پان پھیری جاتی ہے اور سکھ مت کے متمنی شخص کو عقائد اور اوامر ونواہی کی تعلیم دیتے ہوئے اس پر پانی کے چھینٹے مارے جاتے ہیں اس رسم کو ان کے یہاں ''پاہل'' کہا جاتا ہے۔

سکھوں کے شب وروز

سکھوں کے شبانہ روز معمولات کچھ اس طرح ہیں کہ وہ صبح سویرے اٹھ کر سب سے پہلے غسل کرتے ہیں، اس کے بعد مخصوص بھجن گائے جاتے ہیں اور دعائیں پڑھی جاتی ہیں، اس کے بعد اپنے معمولات سے فراغت پا کر رات کو بھجن اور دعائیں پڑھنے کی ایک اور رسم ہوتی ہے۔

سکھ اجتماعی عبادت کے لئے اپنے عبادت خانے میں جسے ''گوردوارہ'' کہا جاتا ہے، اکٹھے ہوتے اور ملتے ہیں جہاں سب سے اہم ترین عبادت ''گرنتھ'' کو پڑھنا ہوتا

ہے اس کی مختلف دعائیں، بھجن، وعظ اور لنگر کا کھانا بھی اسی اجتماع کا حصہ ہوتا ہے۔

چونکہ سکھوں میں اب ''گرو'' کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اس لیے سکھ برادری کا کوئی فرد بھی اجتماعی خدمات سرانجام دے سکتا ہے اسی طرح عبادت کے سلسلے میں ذات پات یا اختلاف جنس کی کوئی قید نہیں بلکہ تمام فرقوں کے مرد وعورت اکٹھے ہو کر عبادت کرتے ہیں۔

سکھوں کے گوردوارے

سکھوں کے گوردوارے پنجاب کے اکثر علاقوں میں پائے جاتے ہیں جن میں سے زیادہ مشہور گوردوارے امرتسر، گورداس پور، اور فیروز پور کے اضلاع میں ہیں، سکھوں کے نزدیک سب سے زیادہ مقدس گوردوارہ امرتسر کا طلائی مندر یعنی دربار صاحب اور گرونانک کی جائے پیدائش یعنی ننکانہ صاحب ہیں جہاں ہر سال مقررہ اوقات پر میلے لگتے ہیں اور ہر سکھ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ تو ''امرتسر'' کے گوردوارے میں ضرور حاضری دے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''گولڈن ٹمپل آف امرتسر'' سکھوں کے لئے خصوصی توجہ کا مرکز ہے۔

﴿سکھ مت اور اسلام کا تقابلی جائزہ﴾

(۱) اخوت اور مساوات

اخوت ومساوات کا درس اسلامی تعلیمات میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے، جس کے لئے گرونانک نے اپنی عملی زندگی میں بہت سے اقدامات کیے تاہم ''نہ کوئی ہندو ہے اور نہ کوئی مسلم'' اسلامی نظریہ مساوات سے بہت دور ہے اور اسلام نے بہت پہلے کہہ دیا تھا ''الکفر ملة واحدة'' اسلام الگ دین ہے اور کفر خواہ کسی بھی صورت میں ہو، اسلام کے بالمقابل دوسرا دین ہے، انہیں آپس میں جمع کرنا آگ اور پانی، دن اور رات، زمین اور آسمان، چاند اور سورج کو جمع کرنے کے مترادف ہے اور یہی وہ ''دوقومی نظریہ'' ہے جو پاکستان کے معرض وجود میں آنے کا ذریعہ بنا۔

(۲) تناسخ

تناسخ اور آواگون کا ہندوانہ عقیدہ بھی سکھ مت نے جوں کا توں قبول کر لیا، اسلام نے اس عقیدے کو کبھی بھی تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی اسے کوئی حیثیت دی ہے، اسلام اور ہندومت کے تقابلی مطالعہ میں اس کی مزید تفصیل دوبارہ ملاحظہ فرمایئے۔

(۳) گرو کی ضرورت

سکھ مت اپنے پیروکاروں کیلئے کسی گرو اور مرشد سے قلبی تعلق قائم کرنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے جبکہ اسلام میں اصل مقصد ''اصلاح نفس'' ہے جس کیلئے کسی پیر سے بیعت کرنا ضروری نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے اطمینان قلب کا ذریعہ قرار دیدیا جائے لیکن اس کی کوئی حیثیت نہیں کہ پیر کے بغیر انسان اصلاح نفس کا مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔

پھر سکھ مت بھی عملی طور پر اپنے گیارہویں گرو کے بعد کسی گرو کو پیدا نہ کر سکا اور عملی طور پر اس کا یہ اصول اپنی موت آپ مر گیا اور اب تک سکھ اپنے مذہبی پیشوا اور رہنما کے طور پر صرف اپنی مقدس کتاب ''گرنتھ'' کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے نزدیک کوئی انسانی ہستی گرو کا درجہ حاصل کرنے کے قابل نہیں۔

(۴) نبوت اور پیغمبری

سکھ مت نے اپنے بانی بابا گرونانک کو ایک ''پیغمبر'' کی حیثیت سے متعارف کروایا ہے جب کہ اسلام نے نبی مکرم، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبین اور سلسلہء نبوت کی آخری کڑی قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(۵) خلافِ فطرت امور

سکھ مت فطرت کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو تلقین کرتا ہے کہ جسم کے کسی حصے کے بال نہ تراشے جائیں جب کہ اسلام دینِ فطرت ہونے کی وجہ سے انسان کی تمام فطری ضروریات اور تقاضوں کو بھرپور انداز میں پورا کرتا ہے۔

باب چہارم

بانی و مصلحین مذہب، تعلیمات اور اس مذہب میں داخلہ کا طریقہء کار، مختلف فرقے اور مذہبی کتابیں، اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب چہارم

﴿جین مت﴾

''جین'' کا لفظ ''جنا'' سے مشتق ہے جس کا معنی ''فاتح اور غالب'' ہے۔ یہ لوگ اپنے زعم میں اپنی خواہشات پر غالب آ چکے ہیں اس لئے یہ اپنے آپ کو ''جینی'' کہتے ہیں، جین مت کے نقطہ آغاز سے متعلق حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے، تاہم اس مذہب کے لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب کروڑوں سال سے موجود ہے اور ازلی ابدی ہے۔ جین مت کی روایات کے مطابق اس دور کی عمریں نا قابل یقین حد تک طویل بتائی جاتی ہیں۔

جین مت کے بانی و مصلحین

ان لوگوں کا سب سے پہلا مصلح ''ناتھ'' نامی شخص تھا اور سب سے آخری مصلح ''پرسوناتھ'' نامی شخص تھا، موجودہ جین مت کا بانی ''مہاویر'' کو قرار دیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ مہاویر کی پیدائش ''پرسوناتھ'' کے ۲½ سو سال بعد ۵۴۰ ق م کو ہوئی۔

مہاویر

مہاویر سے قبل جین مت کی تشکیل میں تیس لوگ گزرے ہیں۔ خود مہاویر کی پیدائش ایک کھشتری خاندان میں ہوئی اس کا اصلی نام ''وردھمان'' تھا اور والد کا نام ''سرھاوتہ'' تھا، ابتدائی پرورش بڑے ناز و نعم میں ہوئی۔ تیس سال کی عمر میں ''ہندو مت'' کو خیر باد کہہ کر راہبانہ زندگی اختیار کر لی، راہبانہ زندگی کے حالات کی تفصیلات بہت حد تک گوتم بدھ کی زندگی سے مشابہت رکھتی ہیں۔

مہاویر نے اپنے آپ کو لباس کے جھنجھٹ سے آزاد کرنے کیلئے صرف ایک جوڑا اپنے پاس رکھ لیا اور کامل بارہ سال اسی حالت میں گزار دیئے اور نجات کی تلاش میں

مارا مارا پھرتا رہا اسی دوران ایک مرتبہ وہ کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر گہرے مراقبے میں مشغول ہو گیا، اس وقت مہاویر کی عمر ۴۲ سال تھی۔ اس مراقبے میں اسے گیان دھیان اور نروان حاصل ہو گیا اور وہ اس راہ نجات کی تلقین دوسرے لوگوں کو بھی کرنے لگا بالفاظ دیگر اس طرح مہاویر ایک نئے مذہب کا بانی بن گیا اور آج کل اسی کے اصولوں پر مبنی مذہب کو ''جین مت'' کہا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ مہاویر کا انتقال ۷۲ برس کی عمر میں جنوبی بہار کے ایک مقام ''پاوا'' میں ہوا۔

جین مت کی تعلیمات

جین مت میں اطمینان قلبی اور نروان حاصل کرنے کیلئے ''مہاویر'' کے ذکر کردہ دو طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جن میں سے ایک طریقہ سلبی ہے اور دوسرا ایجابی۔

سلبی طریقہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے دل سے ہر قسم کی خواہشات کو نکال دے، جب انسان کے دل میں کوئی خواہش نہیں رہے گی تو اس کی روح حقیقی خوشی اور نروان سے ہمکنار ہو جائے گی۔

اور ایجابی طریقہ یہ ہے کہ انسان کے خیالات وعقائد اور علم وعمل درست ہوں جس کی وجہ سے اس کی روح کو حقیقی خوشی حاصل ہوگی اور یہی ''نروان'' ہے۔

جین مت میں اعمال کی درستگی کا طریقہ کار

جینی مذہب کے مطابق اعمال کی درستگی پانچ چیزوں پر مبنی ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اہمسہ: یعنی کسی ذی روح اور جاندار کو تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ جین مت میں اس عقیدے کو بنیادی اہمیت وحیثیت حاصل ہے۔

(۲) ستّیام: یعنی ہمیشہ سچائی کو اپنا شعار اور اصول بنایا جائے۔

(۳) استیام: یعنی خون پسینہ بہا کر حلال روزی حاصل کی جائے اس کیلئے چوری کا راستہ

اختیار نہ کیا جائے۔

(۴) برہمچاری: یعنی عفت وعصمت سے بھرپور پاکدامنی کی زندگی گزارتے ہوئے نفسیاتی برائیوں سے بچا جائے۔

(۵) اَپَری گراہہ: یعنی اپنے حواس خمسہ پر غلبہ پایا جائے۔

جب یہ پانچ چیزیں کسی شخص میں پیدا ہو جائیں تو اس کے اعمال درست ہو جائیں گے اور جب اعمال کی درستگی ہو جائے تو انسان کو نِروان کی دولت حاصل ہو جاتی ہے۔

جین مت میں شرکت کا طریقہ

جین مت میں داخلہ کے خواہش مند کو چند شرائط پر مبنی ایک حلف اٹھانا پڑتا ہے جس کی پابندی وہ تا زیست کرتا ہے۔ یہ حلف اٹھائے بغیر کوئی شخص جین مت میں داخل نہیں ہوسکتا، حلف کی شرائط درج ذیل ہیں۔

(۱) میں کسی ذی روح کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔

(۲) کسی جاندار کو نقصان پہنچانے بھی نہیں دوں گا۔

(۳) میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ کسی ذی روح کو ہلاک کرنا قابل مذمت عمل ہے۔

(۴) میں ہمیشہ کنوارا رہوں گا۔

(۵) میں راہبانہ زندگی بسر کروں گا۔

اس حلف نامے کی آخری دو شقیں چونکہ انسانی فطرت کے خلاف ہیں اسلئے بہت سارے جینی یہ حلف نہیں اٹھاتے تاہم پہلی تین شقوں پر ضرور عمل کرتے ہیں اور کسی ذی روح کو نقصان نہیں پہنچاتے اسی بناء پر یہ لوگ فوج میں ملازمت نہیں کرتے، قصاب کے پیشے سے دور بھاگتے ہیں، زمینداری اور کھیتی باڑی کے قریب بھی نہیں جاتے تاکہ کوئی ذی روح بے دھیانی میں مارا نہ جائے۔ جین مت سے وابستہ اکثر لوگ تجارت کا پیشہ اختیار کرتے ہیں اس لئے یہ مالی طور پر امیر ہوتے ہیں۔

جینیوں کی ایک لفظی تصویر

جین مت کے پیروکار گوشت نہیں کھاتے بلکہ سبزی پر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں پانی کو چھانے بغیر نہیں پیتے اور ایک فرقے کے لوگ تو اندھیرا ہو جانے پر پانی پیتے ہی نہیں تاکہ پانی میں موجود کوئی کیڑا مکوڑا مر نہ جائے۔ یہ لوگ ہمیشہ منہ پر رومال رکھتے ہیں تاکہ سانس کی گرمی سے جراثیم ہلاک نہ ہو جائیں، اپنے ہاتھ میں چھوٹا سا جھاڑو رکھتے ہیں اور زمین پر قدم رکھنے سے پہلے اسے صاف کرتے جاتے ہیں، یہ لوگ دانت بھی صاف نہیں کرتے البتہ خدمت خلق ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے جس کیلئے وہ ہسپتال وغیرہ کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

جین مت کے فرقے

جین مت کے دو فرقے زیادہ مشہور ہیں۔

(۱) سویتا مبر

اس فرقے کے لوگ ''وائٹ کمیڈ'' بھی کہلاتے ہیں، یہ لوگ اکثر سفید لباس پہنتے ہیں۔ اور ان کی اکثریت شمالی ہندوستان میں آباد ہے۔

(۲) گمبر

اس فرقے کے لوگوں کو ''سکائی کلیڈ'' بھی کہا جاتا ہے، یہ لوگ آسمانی رنگ کی ایک چادر پہنتے ہیں اور اکثر لوگ برہنہ پھرتے رہتے ہیں، ان لوگوں کی اکثریت جنوبی ہندوستان میں آباد ہے۔

جین مت کی مشہور کتابیں

جین مت کی چار مشہور کتابیں ہیں۔

(۱) آنکس یا آنگا

(۲) مئولہ

(۳) سَوِتْرا

(۴) اپانگا

ان چاروں میں سے اول الذکر کو سب سے زیادہ مذہبی اہمیت حاصل ہوئی۔

جدید دور کا جین مت

مہاویر کے بعد جین مت میں بہت سی تبدیلیاں آ گئی ہیں اور موجودہ جینی لوگ آواگون پر یقین رکھتے ہیں اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ جب کوئی روح گناہ کرتی ہے تو وہ اس قدر بوجھل ہو جاتی ہے کہ وہ ٹوٹنے لگتی ہے اور ساتویں دوزخ میں گرنے لگتی ہے۔ اور جب وہ پاک صاف ہو جاتی ہے تو چھبیسویں بہشت میں پہنچ جاتی ہے اور اسے ''نروان'' حاصل ہو جاتا ہے۔

جین مت، بدھ مت اور ہندو مت بہت ساری باتوں میں مشترک ہیں، البتہ جین مت میں ترک خواہشات اور رہبانیت کیلئے بے انتہاء سختیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں جس کی وجہ سے یہ مذہب دنیا میں چل نہ سکا تاہم ہندوستان میں آج بھی جین مت کے بہت سے پیروکار موجود ہیں اور لاہور میں بھی ''جین مندر'' اس مذہب کے عبادت خانے اور یادگار کے طور پر موجود ہے۔

جین مت اور اسلام کا تقابلی جائزہ

گزشتہ صفحات میں ''جین مت'' کے متعلق جو باتیں ذکر کی گئی ہیں ان کی موجودگی میں اس کا اسلام کے ساتھ تقابل ایک مضحکہ خیز عمل معلوم ہوتا ہے تاہم قارئین کی آسانی کیلئے چند ایک باتیں یہاں بھی ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) جینی عقائد کے مطابق چونکہ کسی ذی روح کو تکلیف پہنچانا قطعاً منع ہے اس لئے اس مذہب کے پیروکار اکثر سر جھکا کر اور ہاتھ میں جھاڑو وغیرہ لیکر چلتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل غیر فطری ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی تکلیف دہ اور انسانی طاقت سے باہر بھی ہے اور اسلام روز اول سے یہ اعلان کرتا رہا ہے۔

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ٢٨٦)

(۲) جین مت میں کائنات رنگ و بو کو وجود بخشنے والے خالق و مالک کا کوئی واضح تصور نہیں ملتا اور اسلام کی بنیادی تعلیم ہی معرفت خداوندی ہے۔

(۳) جین مت نفس کشی، اذیت پسندی، فاقہ مستی اور رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اسلام ان کی تعلیم تو درکناران کی حوصلہ افزائی تک نہیں کرتا اور اس نے ہمیشہ ان چیزوں کی حوصلہ شکنی کی ہے۔

(۴) جین مت ازدواجی زندگی کی نفی اور حوصلہ شکنی کرتا ہے جبکہ اسلام اسے ایمانی زندگی کا جزو لازم قرار دیتے ہوئے اس کی بھرپور سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

باب پنجم

بانیان مذہب کے حالات زندگی، سیاسی اصول،
عقائد ونظریات، تعلیمات اور مقدس کتابیں،
اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب پنجم

اس مذہب کے متعلق کچھ لکھنے سے قبل یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ تقابل ادیان کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات نے یہاں ایک سوال اٹھایا ہے کہ کیا یہ واقعۃً کوئی مذہب ہے؟ یا کوئی اصلاحی تحریک؟ بعض حضرات نے اسے بھی دیگر مذاہب کی طرح ایک مذہب شمار کیا ہے اور بعض حضرات کا اس پر اصرار ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ مذہب نہیں، اس کی تعلیمات مذہبی نہیں اور اس کا بانی ایک ملحد تھا، اس کی مقدس تحریرات کو بھی الہامی نہیں قرار دیا گیا تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اس کے فلسفے نے عقائد کے باب میں کچھ ترقی حاصل کی ہے اور اپنے ماننے والوں پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں اس لئے اسے ایک اعتبار سے مذہب قرار دینا صحیح ہے۔

کنفیوشس ازم کا بانی

اس ''ازم'' کی نسبت اس کے بانی ہی کیطرف ہے اور اس کے بانی کا نام ''کنفیوشس'' ہے جو چین میں ایک بہت بڑا فلسفی گزرا ہے۔ اس کی پیدائش ۵۵۱ ق م میں چین کے ایک صوبے ''لُو'' میں ''شولان'' کے گھر ہوئی۔ یہ جگہ اس وقت ''لیُو لیو'' کی سلطنت میں تھی، چین میں اس صوبے کا اب موجودہ نام ''شھاتنگ'' ہے۔

اس کی پیدائش کے وقت اس کے والد کی عمر ستر برس کی تھی اور یہ بڑی دعاؤں کے بعد پیدا ہوا تھا لیکن ابھی اس کی عمر تین برس کی ہی تھی کہ یہ سایہ وشفقت پدری سے محروم ہوگیا اور اس کی تمام تر ذمہ داری بیوہ ماں کے نازک کندھوں پر آپڑی۔ اس مرحلے میں اس علاقے کے قبیلہ ''کی'' کے ایک سردار نے اس کے ساتھ خاصا تعاون کیا اور اس کی پرورش میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کنفیوشس نے اپنے علاقائی ماحول کے مطابق شعر و شاعری، تاریخ دانی، موسیقی، شکار، ماہی گیری اور تیر اندازی وغیرہ فنون میں مہارت حاصل

کرلی۔

جب کنفیوشس اپنی عمر کی انیسویں منزل میں تھا تو اس کی ماں نے اس کی شادی کر دی جس سے اس کے یہاں ایک بیٹا بھی پیدا ہوا لیکن یہ شادی زیادہ دیر تک نہ چل سکی اور صرف چار سال بعد ہی اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیکر اپنی ازدواجی زندگی کا خاتمہ کرلیا اور اس کے بعد پھر کوئی شادی نہیں کی یہی وجہ ہے کہ اس کی بیوی بچوں کے بارے کوئی ٹھوس معلومات مہیا نہیں ہوسکیں تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ موجودہ چینی قوم میں بہت سارے افراد آپ کو ایسے مل جائیں گے جو اپنے آپ کو کنفیوشس کے خاندان سے منسوب کرتے ہوئے دکھائی دیں گے۔

کنفیوشس کی عمر جب ۲۴ یا ۲۷ برس کی ہوئی تو اس کی ماں کا انتقال ہوگیا اور اس نے مکمل تین سال تک اپنی ماں کا سوگ منایا۔ اس سے پہلے وہ حکومت کے ''محکمہ مال'' میں ملازم تھا اور اپنی حسن کارکردگی اور خدمت خلق کے جذبے کی بنیاد پر عوام کے دلوں پر حکمرانی کیا کرتا تھا اور ایک سال کی قلیل مدت میں محکمہ زراعت اور جانوروں کے چرواہوں کا نگران بنا دیا گیا تھا۔

ملازمت کے ساتھ ساتھ کنفیوشس نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا اور لوگوں کو مختلف موضوعات کی تعلیم دینا شروع کر دی، کچھ عرصے کے بعد اس نے دارالخلافہ کی رہائش اختیار کر کے شاہی کتب خانے سے خوب استفادہ کیا۔ اس دوران اس کی ملاقات ''تاؤازم'' کے بانی ''لاؤزے'' سے ہوگئی، دونوں نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا جس کا نفع انہیں بعد میں محسوس ہوتا رہا۔

کنفیوشس کا طریقہ تعلیم مشہور فلسفی سقراط کی طرح تھا اور وہ زبانی درس و تدریس پر عمل پیرا تھا، یاد رہے کہ سقراط خدا کا منکر اور بہت بڑا فلسفی گزرا ہے لیکن چونکہ اس کے ساتھ وحی الٰہی کی رہنمائی نہ تھی، اس لئے یہ زہر کا پیالہ پی کر مر گیا تھا۔ بہر حال! کنفیوشس کے درس و تدریس اور سلسلہء رشد و ہدایت کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کا اتنا چرچا ہوا کہ صوبہ ''لُو'' کے وزیراعظم نے مرض الموت میں اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ وہ کنفیوشس کے پاس جا کر اس سے تعلیم حاصل کرے، اس طرح کنفیوشس نے عمر کا ایک

حصہ صوبہ لُو میں گزارا۔

اس وقت برسر اقتدار طبقہ تین خاندانوں میں منقسم تھا، اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان تینوں میں باہمی خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ یہ دیکھ کر کنفیوشس صوبہ لُو کو چھوڑ کر صوبہ ''ٹسی'' میں منتقل ہوگیا اور کچھ عرصہ وہاں گزارنے کے بعد واپس ''لُو'' آ گیا۔

جب کنفیوشس کی عمر اکیاون سال کی ہوئی تو اسے چین کے ایک علاقے ''چنگ ٹو'' کا قاضی مقرر کر دیا گیا جہاں اس نے اپنے فرائض منصبی بڑی تندہی، ذمہ داری اور دیانتداری سے سرانجام دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذکورہ علاقے میں ایک مثالی معاشرہ قائم ہوگیا جہاں انصاف کی فراوانی اور رشوت ستانی، ناجائز سفارشات اور ظلم و زیادتی کا خاتمہ ہو چکا تھا، بداخلاقی اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی اور پورا علاقہ امن و امان کا گہوارہ بن گیا، جرائم کی شرح میں حیران کن کمی واقع ہوئی تھی، لوگوں نے اپنے گھروں کو تالا لگانا چھوڑ دیا تھا۔

کنفیوشس کی زندگی کے یہ لمحات اس کیلئے انتہائی اہم یادگار کی حیثیت رکھتے تھے اور وہ اس دوران اپنے خاص اصولوں کا بہت زیادہ پابند رہا لیکن وہ اس عہدے پر زیادہ دیر تک نہ رہ سکا اور اس کے حاسدین پیدا ہو گئے۔ خود بادشاہ اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے اتنا خائف ہوا کہ اسے اپنی حکومت خطرہ میں محسوس ہونے لگی چنانچہ اس کے تمام اختیارات سلب کر کے اسے ملک بدر کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ یہ ۴۹۶ ق م کا واقعہ ہے۔

اس کے بعد کنفیوشس دربدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا رہا، اس کے ساتھ اس کے کچھ شاگرد بھی تھے۔ بعض اوقات لوگ انہیں کچھ کھانے کیلئے دیدیتے تھے اور بعض اوقات انہیں لوگوں کے طعن و تشنیع سے بھرپور جملے سننے پڑتے تھے، ایک عرصے کے بعد جب ڈیوک گائی کی حکومت نے صوبہ لُو پر قبضہ کرلیا تو اس نے ۴۸۳ ق م میں کنفیوشس کو واپس بلالیا اور اس نے ازسرنو اصلاح خلق، تعلیم و تربیت اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور ۴۷۸ ق م میں اس دارفانی سے کوچ کیا۔

کنفیوشس کے مرنے کے بعد اس کے شاگردوں نے اس کا نہایت وسیع

پیانے پر سوگ منایا بلکہ ایک شاگرد نے تو اس کی قبر کے ساتھ ایک جھونپڑی بنا کر کامل تین سال تک وہیں ڈیرہ ڈالے رکھا۔

کنفیوشس کے سیاسی اصول

گزشتہ صفحات میں بدھ مذہب کی تعلیمات سے آپ پر یہ بات واضح ہوئی ہوگی کہ اس میں رہبانیت اور ترک دنیا کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، جبکہ کنفیوشس ازم میں اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، خود کنفیوشس نے سرکاری عہدوں کو قبول کیا اور کچھ سیاسی اصول بھی وضع کئے جنہیں "حکمرانی کے پانچ اصول" بھی کہا جا سکتا ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) بادشاہ اور سربراہ مملکت خود اپنے عمل سے عوام کیلئے ایک قابل تقلید اور مثالی نمونہ پیش کرے۔

(۲) چونکہ حکومت عوام کی حمایت کے بغیر برقرار نہیں رہ سکتی اس لئے حکمرانوں کو عوام کا اعتماد حاصل کرنا چاہئے۔ کنفیوشس کے نزدیک اعتماد حاصل کرنے کیلئے محبت کا ہونا ضروری ہے اور عوام کے دلوں میں حکمرانوں کی محبت اس وقت پیدا ہوگی جب حکمران عوام کی فلاح و بہبود کیلئے کام کریں گے۔

(۳) حکمران اور عوام دونوں کو اپنے اپنے فرائض خلوص کے ساتھ انجام دینے چاہئیں۔

(۴) عوام کے ساتھ ایسا سلوک کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے جس سے وہ حکمرانوں کو اپنے لئے ناپسند کریں اور ان کے دلوں میں حکمرانوں کی نفرت پیدا ہو۔

(۵) حکومتی عہدوں پر ایماندار اور دیانتدار افراد کو مقرر کیا جائے۔

آسانی کیلئے ہم ان پانچ اصولوں کو مندرجہ ذیل طریقے سے بھی یاد کر سکتے ہیں۔

(۱) فیض رسانی

(۲) خوش اطواری

(۳) دیانتداری

(۴) عملی دانائی

(۵) خلوص

اصلاح معاشرہ کے اصول

کنفیوشس نے اصلاح معاشرہ کے جو اصول بیان کئے ہیں انہیں ''پانچ رابطوں'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۱) بادشاہ اور رعایا: حکمران اپنی رعایا کا خیال رکھیں اور رعایا اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرے۔

(۲) باپ اور بیٹا: والدین اولاد کی جسمانی اور روحانی نشو ونما کی فکر کریں اور اولاد اپنے والدین کے احترام میں کوئی کمی نہ آنے دے۔

(۳) شوہر اور بیوی: شوہر اپنی بیوی کی ضروریات کا خیال رکھے اور بیوی اس کی فرمانبرداری میں کوشاں رہے۔

(۴) چھوٹا بھائی اور بڑا بھائی: اس سے مراد دینی اور مذہبی اخوت ہے۔

(۵) دوست اور دوست: ہر شخص اپنے دوست کی خوشی اور غمی میں برابر کا شریک رہے۔

کنفیوشس ازم کی چند اہم کتابیں

کنفیوشس نے خود اپنے دور میں کتابیں لکھیں یا نہیں؟ یہ سوال ابھی حل طلب ہے لیکن بادی النظر میں یہی بات سامنے آتی ہے کہ کنفیوشس بذات خود اس طرف کوئی توجہ نہ دے سکا اور بعد میں اس کے شاگردوں نے اس مذہب کی کتابیں تحریر کیں اور اس میں اتنی گرانقدر خدمات انجام دیں کہ اس مذہب کو ''کتابوں کا مذہب'' کہا جانے لگا۔ ان میں سے چند مشہور کتابیں یہ ہیں۔

(۱) لُن

یہ چینی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے ''عقل و دانش اور سمجھداری''۔ انگریزی میں یہ ''اینلکٹس'' کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے کنفیوشس ازم کو سمجھنا

بہت آسان ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ کتاب کنفیوشس کی ان نصیحتوں کا مجموعہ ہے جنہیں جمع کرنے کا سہرا اس کے شاگردوں پر سجتا ہے۔ اس کتاب میں زندگی کے اہم حقائق کو آسان اور عام فہم کہانیوں اور مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۲) تعلیم

یہ کتاب کنفیوشس کے پوتے ''ٹسز'' نے تحریر کی ہے جو کہ درحقیقت کنفیوشس کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔

(۳) علم عظیم

اسے انگریزی میں ''گریٹ لرننگ'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور اس کتاب کی نسبت کنفیوشس کی طرف کیجاتی ہے۔

(۴) شُو چِنگ

بعض مصنفین نے اسے ''شوکنگ'' بھی لکھا ہے جس کی حیثیت ایک تاریخی کتاب کے طور پر مشہور و معروف ہے اور یہ کتاب کنفیوشسی ادب کی ان تحریرات میں سے ہے جن کے بارے کہا جاتا ہے کہ وہ خود کنفیوشس کے دور میں لکھی گئیں۔ یاد رہے کہ اس تاریخی کتاب میں ۲۵۰۰ ق م سے ۶۰۰ ق م تک کے شاہی خانوادوں کی سوانح حیات اور مشہور تاریخی خطابات بھی شامل ہیں۔

(۵) شی چِنگ

اس کتاب میں تاریخی واقعات کو شعر و شاعری اور گیتوں کی صورت میں جمع کیا گیا ہے۔

(۶) لِی چی

اس کتاب میں مذہبی رسومات اور تہواروں کا ذکر موجود ہے، اوپر ذکر کردہ کتاب ''علم عظیم'' درحقیقت اسی کا ایک باب ہے جسے اس کی اہمیت کی بناء پر الگ کتاب

کی صورت میں شائع کیا گیا تھا۔

(۷) یی چنگ

کنفیوشسی ادب کی سب سے زیادہ قدیم ترین کتاب یہی ہے اور اس میں زمانہ مابعد کے انقلابات اور پیش آنے والے واقعات وحوادث کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۸) چُوں چَن

بعض حضرات نے اسے کنفیوشس کی تحریر قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کتاب میں موسموں کے حالات خصوصاً موسم خزاں اور موسم بہار کی تاریخ کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۹) چونگ جونگ

اس کتاب میں کنفیوشس کے افکار ونظریات اور ان کے فلسفے کو واضح کیا گیا ہے۔

(۱۰) نظریہ اعتدال

یہ کتاب کنفیوشس کے فلسفے کو سمجھنے کیلئے ایک زینہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں کنفیوشس کے شاگردوں کے اقوال جمع کئے گئے ہیں۔

کنفیوشس ازم میں ان کتابوں کی اہمیت اور حیثیت جو بھی ہو، اتنی بات ضرور ہے کہ کنفیوشس ازم کے پیروکار کبھی بھی انہیں وحی الٰہی قرار نہیں دیتے اور خود کنفیوشس نے بھی اس بارے کبھی ایسا دعویٰ نہیں کیا جس سے یہ اندازہ ہوتا ہو کہ وہ اپنے آپ کو نبی یا رسول سمجھتا ہے بلکہ ایک مقام پر تو کنفیوشس کا یہ قول موجود ہے۔

> ''میں وہ نہیں ہوں جسے پیدائشی طور پر علم دیا گیا ہو، میں ماضی کے حالات پڑھنے کا شوقین ہوں اور علم کو ماضی ہی میں تلاش کرتا ہوں''

یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ دنیا کا مشہور عجوبہ ''دیوار چین'' تعمیر کرنے والے بادشاہ ''ڈیوک'' کو اس مذہب سے سخت نفرت تھی اس لئے اس نے

برسراقتدار آنے کے بعد اس مذہب کے 460 علماء کو زندہ درگور کروادیا اور اس مذہب کی تمام کتابوں کو نذر آتش کر دیا۔ یوں اس مذہب کا تحریری سرمایہ بالکل ختم ہوگیا اس کے بعد جب ''ہن خاندان'' کی حکومت قائم ہوئی تو ان کتابوں کی دوبارہ اشاعت ممکن ہوسکی تاہم تاریخی طور پر موجودہ کنفیوشسی ادب کو تغیرات اور تحریفات سے پاک قرار نہیں دیا جاسکتا۔

جب کہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ کنفیوشسی ادب کو نذر آتش کرنے کا یہ واقعہ کنفیوشس کے تقریباً اڑھائی سوسال بعد پیش آیا اور اس کا مرکزی کردار ''ڈیوک'' کی بجائے ''ستین شیہ ہوانگ ٹی'' تھا جس کے حکم سے تین مہینے تک ان کتابوں کو نذرِ آتش کیا جاتا رہا، اس موقع پر کچھ لوگوں نے چند کتابیں دیواروں میں محفوظ کر لی تھیں، انہی کے ذریعے دوبارہ ان کتابوں کی اشاعت ممکن ہوسکی۔

کنفیوشس ازم کا ارتقاء

کنفیوشس کے زمانے میں سرکاری سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے عام خیال یہی تھا کہ بہت جلد یہ مذہب اپنی موت آپ مرجائیگا لیکن حقائق اس کے برعکس روپ دھار کر سامنے آئے اور کنفیوشس کے مرنے کے بعد لوگوں کے دلوں میں اس کے نظریات وافکار نے اپنی جگہ بنانا شروع کی اور ان کی مقبولیت اتنی زیادہ ہوئی کہ کنفیوشس کے نظریات اور اصول ''زندگی کے رہنما اصول'' کی حیثیت سے متعارف ہونے لگے۔ کنفیوشس کی شخصیت اور اس کی تعلیم نے پورے چین پر اپنے گہرے اثرات مرتب کئے یہاں تک کہ کنفیوشس کو ''کامل اور اعظم'' کے معزز لقب سے یاد کیا جانے لگا اور سرکاری طور پر پہلی صدی عیسوی میں اسے ''ڈیوک لی'' کا خطاب دیا گیا اور ۷۵ء میں اسے ''کوینگ'' کے خطاب سے نوازا گیا جس کا معنی ہے قدیم استاد۔

لوگوں کے ذہنوں میں کنفیوشس کا تقدس اتنا بڑھا کہ اس نے رفتہ رفتہ پرستش کی صورت اختیار کر لی، اس کا بت بنا کر مندروں میں پوجا شروع کر دی گئی اور اس کے نام کی قربانی دی جانے لگی اور یوں کنفیوشس ازم ایک فلسفے سے نکل کر مذہب کی حیثیت اختیار کر گیا، اس میں رسومات اور خرافات کی بہتات ہوگئی اور توہم پرستی نے اپنی جڑیں

مضبوط سے مضبوط تر کر لیں۔

کنفیوشس کے انتقال کو سو سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور اس کا مذہب بحران کا شکار تھا کہ اسی دوران کنفیوشس ازم میں ''شیس'' نامی ایک شخص مجدد کی حیثیت سے ابھرا، اس نے کنفیوشس کی اصل تعلیمات کو واضح اور نکھار کر لوگوں کے سامنے پیش کیا، توحید اور انسان کی فطری نیکیوں کی تعلیم عام کی۔

کنفیوشس کے سیاسی فلسفے کا خلاصہ

کنفیوشس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی پوری سلطنت اور پورے ملک کو درست کر دے اور اس مقصد کے حصول کیلئے وہ پہلے ریاستوں کو، ان سے پہلے معاشرے کے ہر فرد کو، اس سے پہلے دل و دماغ کو قابل اصلاح سمجھتا تھا، دل اور دماغ کی اصلاح کیلئے وہ فروغ علم کا خواہاں تھا اور اس کیلئے کائناتی اشیاء کی تحقیق اور ان کے حقائق سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا۔

کیونکہ جب اشیاء کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے تو علم مکمل ہو جاتا ہے اور تکمیل علم سے دل و دماغ خلوص اور دیانتداری سے بھرپور ہو جاتے ہیں اور برے خیالات رخصت ہو جاتے ہیں، جب انسان کے خیالات درست ہو جائیں تو وہ انسان درست ہو جاتا ہے اور ایک انسان کی درستی پورے خاندان کی اور وہ پوری ریاست کی اور وہ پوری سلطنت کی اصلاح کی ضامن ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جو ملک بھی اس فلسفے کو اختیار کرے گا وہ ترقی کی منازل ضرور طے کرے گا۔

کنفیوشس ازم اور اسلام کا تقابلی جائزہ

(۱) خدائے واحد کا تصور

گو کہ کنفیوشس ازم میں ایک ''ہستی اعلیٰ'' کا تصور پایا جاتا ہے لیکن اسے کہیں

بھی ''خدا'' کا لفظ نہیں دیا گیا تاہم اس مفہوم کے قریب قریب ایک لفظ کا سراغ ملتا ہے جس کا ترجمہ ''حاکم مطلق'' سے کیا جاتا ہے اور وہ ہے ''شنگٹی'' اس کے ساتھ ایک اور لفظ ''ٹی ین'' بھی استعمال ہوتا ہے جس کا معنی ''آسمان'' ہے کنفیوشس ازم میں انہی کی اطاعت پر زور دیا جاتا ہے اور کنفیوشس ازم میں یہ محاورہ عام طور پر استعمال ہوتا ہے کہ آسمان کو عطیات ملے، آسمان کی فطرت ہے، فطرت کے مطابق چلنے کا نام ''راستہ'' ہے، اس راستے کے قوانین کو کنفیوشس ''اصول تعلیم'' کا نام دیتا ہے۔

کنفیوشس کے مطابق فطرت کے مطالبات ''خدائی احکام'' کے مترادف ہیں اس لئے جو شخص احکام فطرت کی خلاف ورزی کرتا ہے درحقیقت وہ شنگٹی (حاکم مطلق) کے خلاف بغاوت کا مرتکب ہوتا ہے۔ کنفیوشس کی آمد سے قبل چین کے لوگ بت پرستی کے مرض میں مبتلا تھے اور روحوں کے پجاری تھے اس کے مرنے کے بعد ان میں یہ چیزیں پھر عود کر آئیں اور وہ پھر انہی امراض میں مبتلا ہو گئے۔

اس کے برعکس اسلام ہمیں صرف ایک اللہ کی پرستش اور عبادت کرنے کا حکم دیتا ہے جس کی حیثیت محض حاکم مطلق کی نہیں بلکہ ایک ایسی ذات کی ہے جو متجمع الصفات اور ہر قسم کے عیوب سے مبرا و منزہ ہے۔ اسلام میں معبود برحق کا تصور بہت واضح ہے جبکہ کنفیوشس ازم اس کے متعلق ایک غیر واضح اور مبہم تصور رکھتا ہے۔

(۲) حیات بعد الموت

جیسا کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ کنفیوشس کی آمد سے قبل چین میں بت پرستی کا رواج تھا بلکہ خود کنفیوشس کے دور میں بھی بت پرستی ہوتی رہی تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ کنفیوشس نے واضح طور پر روح کو کہیں بھی ''غیر فانی'' نہیں قرار دیا، اس کے ساتھ ساتھ اس کی تعلیمات میں جزا و سزا کا بھی کوئی واضح اور غیر مبہم تصور نہیں ملتا چنانچہ تاریخی طور پر اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ایک مرتبہ کنفیوشس سے کسی نے سوال کیا کہ ہم جن مردوں کی پوجا کرتے ہیں کیا انہیں اس کا علم ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے اس نے کہا۔

''اگر میں ''ہاں'' میں جواب دوں تو لوگ اپنے آباؤ اجداد کی آخری

رسومات ادا کرنے میں خود کو تباہ کر دیں گے (کیونکہ جب انہیں پتہ
ہوگا کہ مردے جانتے بوجھتے ہیں تو وہ اس چیز کو مدنظر رکھ کر اس کی
رسومات مرگ کی ادائیگی کریں گے) اور اگر میں ''نفی'' میں جواب
دوں تو (اندیشہ ہے کہ) نالائق بیٹے میت کو بے گور وکفن چھوڑ دیں
گے اس لئے تم یہ بات معلوم کرنے کی کوشش ہی نہ کرو۔''

اس سے کنفیوشس ازم کی تنگ دامنی کا ثبوت ملتا ہے اور یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ بعث بعد الموت یا مابعد الطبیعیات کا قائل نہ تھا ورنہ اس کا جواب اس سے مختلف ہوتا، اس کے برعکس اسلام میں نہ صرف یہ کہ بعث الموت کا تصور موجود ہے بلکہ اسے ''باب عقائد'' میں انتہائی اہمیت حاصل ہے اور اسلام کے تین اساسی عقائد میں سے ایک عقیدہ آخرت بھی ہے جو حیات بعد الموت کا دوسرا نام ہے۔

(۳) تخلیق کائنات

''تخلیق کائنات'' کے عنوان میں کنفیوشس کیلئے کوئی دلچسپی نہ تھی کیونکہ اس کا تعلق زمانہ ماضی سے ہے اور کنفیوشس زمانہ حال میں غور وفکر کا داعی تھا، وہ ماضی اور مستقبل کے چکروں میں پڑ کر اپنی زندگی خراب نہیں کرنا چاہتا تھا، اس کی تمام تر توجہات کا مرکز ومحور صرف موجودہ زندگی تھی جبکہ اسلام نے تخلیق کائنات کی مکمل حقیقت کو واضح کیا۔ ماضی، حال اور استقبال تینوں کے احکام بیان کئے اور اس بات کا درس دیا کہ اپنے ماضی کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

(۴) عالمگیریت

کنفیوشس ازم میں اس بات کی صلاحیت ہرگز نہیں کہ وہ پوری دنیا میں بسنے والے ہر انسان کی دینی اور مذہبی ضروریات کیلئے کافی ہو سکے اور نہ ہی اس نے یہ دعویٰ کیا جبکہ اسلام نہ صرف یہ کہ عالمگیریت کا دعویٰ کرتا ہے بلکہ اس کا عملی ثبوت بھی پیش کرتا ہے۔

(۵) حفاظت

کنفیوشس ازم پر کئی مرتبہ دور ابتلاء آیا اور اس کا مذہبی و تاریخی ورثہ کئی مرتبہ شکست و ریخت کا شکار ہوا جس کی بناء پر اب یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کی تعلیمات صحیح انداز میں موجود ہیں۔ جبکہ اسلام کی مقدس تعلیمات کیلئے جس کتاب کا انتخاب کیا گیا اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود رب الارباب نے اٹھایا اس لئے اس کی ایک ایک چیز کے صحیح ہونے کی حلفیہ ضمانت دی جا سکتی ہے۔

(۶) سوچ اور فکر کا زاویہ

کنفیوشس ازم حکمرانی اور جہانبانی کے اصول وضع کرتا ہے اور اس میں اخلاقیات کو بھی زیر بحث لاتا ہے جس کا بنیادی مقصد ''عوام کو خوش کرنا اور خوش رکھنا'' ہوتا ہے جبکہ اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اپنے ہر عمل کے ذریعے ''اللہ کو خوش کرنے اور خوش رکھنے'' کے بہانے ڈھونڈنے چاہئیں۔ اس کی رضا میں سب کی رضا ہے اور اس کی ناراضگی میں سب کی ناراضگی ہے، کہنے کو بظاہر یہ ایک معمولی سی بات ہے لیکن انسان کے زاویہ فکر کی مکمل طور پر غماز ہے اور اس کی ذہنی ساخت کو بالکل واضح کر دینے والی چیز ہے کہ اس کی سوچ کتنی محدود یا وسیع ہے۔

(۷) حلال و حرام

کنفیوشس ازم کی تعلیمات میں یہ بات بھی موجود ہے کہ انسان دیانتداری سے جو مال کمائے وہ حلال ہے اور بددیانتی یا جرائم کی مدد سے کمایا جانے والا مال حرام ہے خواہ بذات خود وہ حلال ہی ہو، اس اعتبار سے دنیا کی ہر حرام چیز کو حلال اور حلال کو حرام کیا جا سکتا ہے لیکن اسلام نے حلال و حرام کا اختیار بندوں کے ہاتھ میں نہیں دیا بلکہ یہ اختیار اس ذات کے پاس ہے جسے ہم ''اللہ'' کہتے ہیں۔

زرتشت ازم

زرتشت کو عام طور پر زردشت بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ایک مذہب کے طور پر اس کا وجود ایران، آذربائیجان اور اس کے اردگرد کی ریاستوں میں ہے، یاد رہے کہ ایران کا پرانا نام ''پارس'' ہے جو عربی میں آکر ''فارس'' ہوگیا، یہاں کی زبان کو ''فارسی'' کہا جاتا ہے جس کا انگریزی ترجمہ ''پرشیئن'' ہے، ''مجوسی'' بول کر یہی مذہب مراد لیا جانا شائع ذائع ہے۔

یہاں یہ بات ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ کنفیوشس ازم جس طرح اپنے بانی کی طرف منسوب ہے اسی طرح اس مذہب کی نسبت بھی اس کے بانی کی طرف ہے اور ''زرتشت'' اس مذہب کے بانی کا نام ہے۔اس کے حالات زندگی بیان کرنے سے قبل ہمیں اس کی آمد سے پہلے ایران اور اس کے قرب و جوار کے مذہبی حالات معلوم کرنے چاہئیں تاکہ اس مذہب کی وجہ تخلیق بھی واضح ہو جائے۔

زرتشت کی آمد سے قبل

زرتشت کے آنے سے پہلے ایران اور اس کے قرب و جوار میں بت پرستی اور مظاہر پرستی عام تھی، اہل ایران کا چونکہ موروثی پیشہ زراعت تھا اور سورج، ہوا، پانی، آگ اور درختوں کا ان میں بنیادی عمل دخل تھا اس لئے وہ ان کی پوجا بھی کرتے تھے خاص طور پر بوھڑ اور پیپل کے درخت ان کی پرستش کا محور ہوتے تھے۔

اپنے بزرگوں کی پرستش اور پوجا کرنا بھی ان کی دینیات کا حصہ تھا جس کے لئے وہ ان کی مورتیاں تراشا کرتے تھے، اسی طرح مختلف قسم کی رسومات اور جادو منتر کا بہت چرچا تھا، ان لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ جادو منتر کے ذریعے ہم اپنی خواہشات کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔

مذکورہ تفصیلات کے مطابق اہل ایران کے دیوتاؤں کے نام یہ تھے۔خورشید (سورج)، ماہ (چاند)، آتش (آگ)، آب، (پانی)، باد (ہوا)

زرتشت کی مختصر سوانح عمری

زرتشت کی تاریخ پیدائش میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے تاہم راجح روایات کے مطابق زرتشت ۶۱۰ ق م میں پیدا ہوا اور ۵۸۳ ق م میں انتقال کر گیا۔ اس اعتبار سے زرتشت کی کل عمر ۲۷ سال قرار پاتی ہے لیکن راقم الحروف کا احساس یہ ہے کہ ان تاریخوں کو راجح قرار دینے والے مؤرخین شدید غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں اور ان کی اس رائے سے اتفاق کرنا مشکل ہے کیونکہ پروفیسر لیوس مور کے بیان کے مطابق انتقال کے وقت زرتشت کی عمر ۷۷ سال تھی اور وہ اس وقت بڑھاپے کی منزل کو طے کر رہا تھا اس اعتبار سے زرتشت کا سن وفات ۵۳۳ ق م بنتا ہے اور اس کے صحیح ہونے کا قرینہ یہ بھی ہے کہ پروفیسر لیاقت علی عظیم نے لکھا ہے کہ زرتشت نے اپنے مذہب کی اشاعت میں ۴۷ سال صرف کیئے، بھلا جس شخص کی کل عمر ۲۷ سال ہو وہ ۴۷ سال اشاعت مذہب میں کیسے صرف کر سکتا ہے؟ اس لئے اگر زرتشت کا سن پیدائش ۶۱۰ ق م ہے تو سن وفات یقینی طور پر ۵۳۳ ق م بنتا ہے۔

زرتشت کی پیدائش صوبہ آذربائیجان میں ہوئی، اس کے والد کا نام ''پورشاسپ اسپیما'' تھا اور والدہ کا نام بعض تواریخ میں ''دگدو'' اور بعض میں ''اسان'' ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا بچپن تاریخ کے معتبر صفحات سے بالکل غائب ہے البتہ بعض مؤرخین نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ زرتشت کی پیدائش کے وقت ایران کے بڑے بڑے کاہن سخت پریشان ہوئے اور اسے قتل کرنے کی تدابیر سوچنے لگے چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے زرتشت کو جلتی ہوئی آگ میں پھینک دیا لیکن آگ نے اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ آگ میں کھیلتا رہا۔

اس کے بعد اسے جانوروں کے پاؤں تلے روندنے کی کوشش کی گئی تو ایک گائے اسے چھپا کر کھڑی ہوگئی تا آنکہ سارے جانور گزر گئے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ اسے بھیڑیوں کے غار میں اکیلا چھوڑ دیا گیا تو آسمان سے دو فرشتے بکریوں کی صورت میں اسے دودھ پلانے کیلئے نمودار ہوئے۔

ایام طفولیت گزر جانے کے بعد جب زرتشت نے عہد شباب میں قدم رکھا تو

اپنے علاقے کے ایک بڑے حکیم و دانش مند ''بُرَا گُرُزا'' سے تعلیم حاصل کی اور ایک سال کے مختصر سے عرصے میں مختلف علوم و فنون مثلاً مذہب، زراعت، گلہ بانی اور جراحی وغیرہ سیکھ لئے لیکن ان چیزوں کی طرف اس کی توجہ بہت کم اور خدمت خلق کی طرف بہت زیادہ رہی جبکہ اس کے والدین کی خواہش تھی کہ زرتشت بھی گلہ بانی کا پیشہ اختیار کرے۔

زرتشت کو خدمت خلق کے دوران یہ خیال آیا کہ انسان پر جو مصیبتیں آتی ہیں اور طرح طرح کی مشکلات کا اسے سامنا کرنا پڑتا ہے آخر یہ کہاں سے آتی ہیں؟ اس سوال نے زرتشت کے ذہن میں اتنی جگہ پکڑی کہ وہ ہر چیز کو چھوڑ کر اس کا جواب سوچنے کیلئے ''سیالان'' کی پہاڑیوں میں جا کر رہنے لگا اور کئی سال تک اس پر غور و فکر کرتا رہا لیکن کچھ سمجھ نہ آیا۔

آخر کار ایک دن مایوس ہو کر زرتشت نے اس پہاڑی علاقے کو چھوڑنے کا ارادہ کرلیا، اتفاق کی بات ہے کہ جس وقت وہ اس پہاڑی علاقے کو چھوڑ رہا تھا اس وقت غروب آفتاب کا منظر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے ڈوبتے ہوئے دیکھ رہا تھا اسی اثناء میں اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا اور وہ خوشی سے پھولے نہ سمایا کہ آخر کار اس کی محنت رنگ لائی اور وہ جس سوال کا جواب چاہتا تھا اسے وہ مل گیا۔

اب زرتشت کو یقین ہو گیا کہ کاہنوں کا یہ دعویٰ کہ ''ہم جادو کے ذریعے لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کر سکتے ہیں'' نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ خلاف حقیقت بھی ہے، اس کے ساتھ ساتھ زرتشت نے یہ اعتقاد بھی پختہ کرلیا کہ خدائے خیر، خیر پیدا کرتا ہے اور خدائے شر، شر کو پیدا کرتا ہے گویا خیر کا خالق کوئی اور ہے اور شر کا خالق کوئی اور۔

خدائے خیر اور خدائے شر کی تفریق کرنے کے بعد زرتشت نے ان دونوں کے الگ الگ نام رکھے چنانچہ خدائے خیر کو اس نے ''اھورا ماژدا'' کے نام سے موسوم کیا اور خدائے شر کو ''اینگرومینو'' کا نام دیا، زرتشت خدائے خیر کی عبادت کرتا تھا اور اینگرومینو کو شیطان تصور کرتا تھا۔

ایران میں اس وقت مجوسیت عروج پر تھی اور مظاہر پرستی عام تھی، زرتشت نے لوگوں کو مظاہر پرستی، آتش پرستی اور مردہ پرستی سے نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن عوام کے

دلوں اور ذہنوں میں یہ چیزیں اتنی راسخ ہو چکی تھیں کہ انہوں نے زرتشت کی باتوں کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔

آخر کار زرتشت کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ عوام میں اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے کی بجائے حکمران وقت کو سمجھانا چاہئے تاکہ اس کی سرپرستی میں تبلیغ کی جا سکے چنانچہ وہ بلخ کے بادشاہ ''دستاسپ'' کے محل میں پہنچا لیکن دربانوں نے اسے اجنبی سمجھ کر محل کے اندر جانے کی اجازت نہ دی، زرتشت نے دربانوں کو مرعوب کرنے کیلئے اپنے ہاتھ میں جلتا ہوا انگارہ رکھ لیا یہ دیکھ کر دربان خوفزدہ ہو گئے اور اسے اندر جانے کی اجازت دیدی۔

زرتشت نے دربار میں پہنچ کر سرکاری علماء سے مناظرہ کیا اور انہیں لاجواب کر دیا جس سے متاثر ہو کر ان سب نے زرتشت کا پیغام قبول کر لیا، حاسدین کو زرتشت کی یہ کامیابی ایک آنکھ نہ بھائی اور انہوں نے اس کے خلاف سازشیں کر کے اسے جیل میں ڈلوا دیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ انہی دنوں میں بادشاہ کا ایک عزیز گھوڑا بیمار ہو گیا، بادشاہ نے اس کا بہت علاج کروایا لیکن کسی سے افاقہ نہ ہو سکا اور تمام معالجین اس کے علاج سے تنگ آ گئے، زرتشت کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے بادشاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں اس کا علاج کر سکتا ہوں لیکن اس کیلئے میری ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ بادشاہ میرا مذہب قبول کر لے، بادشاہ نے حامی بھر لی اور زرتشت کے علاج سے بادشاہ کا بیمار گھوڑا تندرست ہو گیا اور بادشاہ اپنے وعدے کے مطابق زرتشت مذہب میں داخل ہو گیا، یوں یہ مذہب ''سرکاری'' بن گیا اور دور دور تک پھیلتا چلا گیا، اسی اثناء میں توران اور ایران کے مابین جنگ چھڑ گئی اور ایک تورانی نے موقع پا کر زرتشت کو قتل کر دیا۔

فائدہ

یہاں یہ بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ پروفیسر لیاقت علی عظیم نے اپنی کتاب ''مذاہب کا تقابلی مطالعہ'' کے ص ۲۰۹ پر پارسیوں کے حوالے سے ''زرتشت'' کیلئے سفر

معراج کا ذکر کیا ہے اور اس کی جو تفصیلات تحریر کی ہیں ان میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر معراج کی تفصیلات میں سرمو بھی تفاوت نہیں اور ہمارا اس پر یقین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بارگاہ خداوندی سے اس شرف سے مشرف فرمانے کیلئے کائنات رنگ و بو میں سے فرد واحد کے طور پر منتخب کیا گیا تھا، آپ سے پہلے کوئی یہ شرف حاصل نہ کر سکا اور نہ آئندہ کسی کو مل سکے گا اس لئے پارسیوں اور زرتشتیوں کا یہ عقیدہ بالکل لغو اور حقائق کی دنیا سے انتہائی دور ہے۔

زرتشت کے عقائد

زرتشت کے عقائد پر روشنی ڈالنے سے قبل اس بات کا سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ زرتشتیت اور مجوسیت ابتداء دو الگ الگ چیزیں تھیں کیونکہ زرتشت کا ورود بعد میں ہوا جبکہ مجوسیت اس سے بہت پہلے ایران میں بالخصوص اپنے عروج پر تھی۔ بعد میں یہ دونوں ایک دوسرے میں ایسے گڈمڈ ہوئے کہ اب جب بھی ''زرتشت ازم'' کا تذکرہ آتا ہے تو عوام کے ذہن میں فوراً مجوسیت کا تاثر ابھرتا ہے، اس مختصر تمہید کے بعد اب زرتشت کے عقائد ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) عقیدہ توحید

ماہرین تقابل ادیان نے لکھا ہے کہ دیکھا جائے تو ایک اعتبار سے زرتشت پکا موحد تھا، چنانچہ اس کی کتابوں میں اس کا یہ قول ملتا ہے۔

''تو ہی خدا ہے یہ میں جانتا ہوں، اے قادر مطلق!
تو ہی اول تھا جب زندگی نے جنم لیا۔''

(۲) عقیدہ صفات خداوندی

زرتشت کے عقیدہ توحید کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کی ہیں وہ اسلامی تعلیمات سے ہرگز متصادم نہیں چنانچہ زرتشت کا یہ قول بھی منقول ہے۔

''خدا ایک ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں، وہ آغاز و انجام، شریک،

دشمن، دوست، ماں، بیوی، اولاد، جگہ، جسم اور رنگ و بو کے بغیر ہے، اسے آنکھیں پا سکتی ہیں اور نہ خیال کی گرفت میں لایا جا سکتا ہے اس کی ہر صفت برتر ہے، وہ غیر فانی ہے، عقل کل ہے، وہ تمام زمین کی نعمتوں کا مالک ہے، وہ حقیقت اعلیٰ ہے۔"

(۳) ملائکہ سے متعلق عقیدہ

زرتشت کے نزدیک ملائکہ وہ خارجی ہستیاں ہیں جو ہماری روحانی اور جسمانی نشو ونما اور تربیت کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور وہ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطے کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

(۴) عقیدہ بہشت و نار

زرتشت کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کا قائل تھا چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"جب نیک آدمی جسم کو چھوڑتا ہے تو وہ بہشت میں پہنچ جاتا ہے اور خدا بہشتیوں کو جسم عطا کریگا، نہ تو وہ ریزہ ریزہ ہوگا اور نہ وہ پرانا ہوگا اور نہ اس میں گند پیدا ہوگا۔"

اسی طرح ایک جگہ وہ دوزخ کے متعلق لکھتا ہے۔

"ان کی برائیاں انہیں آگ کی صورت میں جلائیں گی، نیز ٹھنڈی ہوائیں، برف، سانپ، بچھو اور دوسرے موذی جانور اسے عذاب دیں گے۔"

(۵) عقیدہ رسالت

زرتشت نے اپنی تحریرات میں پیغمبروں سے متعلق یہ تحریر چھوڑی ہے۔

"پیغمبر اس لئے ہونے چاہئیں کہ جس طرح لوگوں کو زندگی کے کاروبار میں ایک دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح لوگوں کو

شریعت مرتب کرنے والوں کی بھی ضرورت ہے جنہیں سب لوگ مانیں، آپس میں ظلم نہ کریں اور کسی کو دھوکہ نہ دیں، اور دنیا کا نظام درست رہے اور یہ پیغمبر ''خدا'' کی طرف سے ہونے چاہئیں تا کہ عام لوگ انہیں قبول کرلیں۔''

(۶) عقیدہ تخلیق کائنات

زرتشت کے مطابق تخلیق کائنات چھ ادوار میں ہوئی اور خدا نے ترتیب وار آسمان، زمین، پانی، نباتات، حیوانات اور آخر میں انسان کو پیدا کیا۔

اسی طرح زرتشت نے یہ بھی لکھا ہے کہ تمام نسل انسانی کو ایک ہی جوڑے سے پیدا کیا گیا ہے جس کا نام ''مشیہ اور مشیات'' تھا یعنی مذکر اور مؤنث۔

(۷) تصور تدفین

زرتشت ازم کی تعلیمات کے مطابق انسانی میت ناپاک ہے اس لئے پاک زمین میں مردے کو دفن کر کے اسے ناپاک نہیں کرنا چاہئے۔

﴿زرتشت کے مذہب میں اخلاقی اصول﴾

زرتشت ازم میں اخلاقی اصولوں پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے جن میں سے چند ایک یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) انسان کے خیالات پاکیزہ ہونے چاہئیں اس لئے کہ اگر انسان کے خیالات درست اور پاکیزہ ہو جائیں تو اس کے اعمال بھی درست ہو جائیں گے (گویا اعمال کی درستگی کا مدار خیالات کی اصلاح پر ہے)

(۲) زرتشت کی تعلیمات میں ''سچائی'' کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔

(۳) قول وفعل میں مطابقت انسان کی بلند کرداری کی علامت ہے۔

(۴) جسمانی صفائی پر بھی توجہ دینا ضروری ہے۔

(۵) زرتشت نے یہ بھی کہا ہے کہ جو شخص مالدار ہو اسے دوسروں کی مدد کرنی چاہئے

لیکن اس کے ساتھ ساتھ تواضع اور انکساری کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

(۶) زرتشت ازم کے علاوہ کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والے شخص کی امداد سے نہیں روکا گیا بلکہ اس کا بجا طور پر حکم دیا گیا ہے۔

(۷) زرتشت رہبانیت کا شدید مخالف تھا اور شادی کو انتہائی ضروری قرار دیتا تھا، خود اس نے اپنی ساری زندگی کھیتی باڑی میں گزار دی اور اپنے ہاتھ سے محنت کی کمائی کرنا اور اپنے استعمال میں لانا باعثِ فضیلت گردانا اور ریا، نام و نمود اور دکھلاوے کے کاموں کو معیوب قرار دیا۔

﴿نوجوان نسل کیلئے زرتشت کی خصوصی تعلیم﴾

زرتشت کی خواہش تھی کہ جب کسی نوجوان کی عمر پندرہ برس کی ہو جائے تو وہ مندرجہ ذیل امور کی نہایت اہتمام کے ساتھ پابندی کرے۔

(۱) عقائد اور اعمال کی پاکیزگی۔

(۲) مذہبی رسوم کی پابندی۔

(۳) بادشاہ جیسی عقلمندی اور منصف مزاجی۔

(۴) صداقت اور دیانتداری کا اہتمام۔

(۵) برائی کے خاتمہ کیلئے صف اول میں موجودگی۔

(۶) کھیتی باڑی اور ہل جوتنے میں سرگرمی کا مظاہرہ۔

(۷) معلومات میں اضافہ کی کوشش۔

(۸) خواہشات پر قابو۔

(۹) کسی بھی کام کو شروع کرنے سے پہلے اس کے فوائد اور نقصانات کا جائزہ۔

(۱۰) لاعلمی اور جہالت سے سرزد ہو جانے والی غلطی کی فوری تلافی۔

فرائض دینیہ

زرتشت ازم میں مندرجہ ذیل چیزوں کو دینی واجبات اور فرائض میں سے سمجھا جاتا ہے۔

(۱) والدین، استاذ، مرشد یا کسی بھی نیک انسان کی صورت میں اچھی زندگی گزارنا۔
(۲) شیطانیت سے دور رہتے ہوئے گناہوں سے توبہ کرتے رہنا۔
(۳) بزرگوں اور بڑوں کا احترام کرنا۔
(۴) ذلت اور بدنامی سے اپنے آپ کو بچانا۔
(۵) چھڑی سے اپنے شاگرد کو مارنے سے گریزاں رہنا۔
(۶) استاذ کے پڑھائے ہوئے سبق کو دوسروں تک پہنچانا۔
(۷) جزا و سزا کا قانون ہاتھ میں لینے کی بجائے حکومت کے حوالے کرنا۔
(۸) نیکی کیلئے اپنے گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھنا۔

﴿زرتشت ازم میں ثنویت (دو خدا) کا تصور﴾

زرتشت کی بنیادی تعلیمات پر انتہائی غور و خوض کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ زرتشت خود ایک موحد آدمی تھا اور اس کے نزدیک اصل معبود ایک ہی ہے، البتہ شر و برائی کو ایک دوسری طاقت نے پیدا کیا ہے جسے ہمارے یہاں ''شیطان'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، لوگ یہ سمجھے کہ وہ دو خداؤں کا قائل تھا (اہورا ماژدا اور اینگرومینو) حالانکہ وہ شیطان کو خدا نہیں سمجھتا تھا بلکہ اسے برائی پر ابھارنے والا قرار دیتا تھا کیونکہ شیطان تو خود ''اللہ'' کو اپنا خالق بھی مانتا ہے اور ''رب'' بھی۔

چنانچہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق ان الفاظ میں تسلیم کیا تھا:

﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾ (الاعراف: ۱۲)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

﴿رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ (الحجر: ۳۶)

گو کہ زرتشت کی ایک کتاب ''گاتھا'' میں اینگرومینو (جس کا ترجمہ ہے ناراض

اور غصیلا جبکہ اہورا ماژدا کا معنی ہے بہت زیادہ جاننے والا) کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن اس میں بھی پرستش اور عبادت کا حکم صرف خدائے خیر کیلئے دیا گیا ہے تاہم زرتشت کے کچھ ہی عرصہ بعد اینگرومینو کیلئے معاونین کے طور پر کچھ دیوتاؤں کو منتخب کیا گیا اور یہ سلسلہ یہاں تک بڑھا کہ انسان کو غفلت میں مبتلا کرنے والی خوبصورت اور دیدہ زیب عمارات کو بھی اینگرومینو کا نمائندہ قرار دیدیا گیا بلکہ زرتشت ازم کے ماننے والوں نے تو یہ بھی لکھ ڈالا کہ اینگرومینو صرف شر ہی نہیں پیدا کرتا بلکہ اہورا ماژدا کی پیدا کردہ اچھائیوں کو بھی ختم کر دیتا ہے۔

مندرجہ بالا گفتگو سے اندازہ ہوا کہ زرتشت ازم میں اصلاً تو ثنویت کا عقیدہ نہ تھا لیکن بعد میں آنے والے حالات و واقعات نے ثنویت کو اس مذہب کا ایک لازمی حصہ قرار دیدیا، اور اب زرتشت ازم کے پیروکار دو خداؤں کے وجود کے قائل ہیں۔

زرتشت ازم کی مذہبی ومقدس کتابیں

تاریخی روایات کے مطابق زرتشت ازم کی کتابیں ایک طویل عرصے تک صفحہ ہستی سے غائب رہیں، بعد میں اس مذہب کی تعلیمات پر مشتمل کتابیں تحریر کی گئیں، بنا بریں مؤرخین اور محققین یہ بات طے نہیں کر سکے کہ موجودہ کتابوں میں کہاں کہاں تحریف اور تبدیلیاں ہوئی ہیں تاہم اتنی بات یقینی ہے کہ موجودہ کتابوں میں جہاں کہیں شرک، بت پرستی، آتش پرستی، ثنویت اور دیوی دیوتاؤں کی پرستش کا ذکر ہے، ایسی تمام باتیں زرتشت مذہب کی کتابوں میں فارسی اور مجوسی لوگوں کا اضافہ ہے اور یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ مجوسیوں نے اپنے مقاصد مخصوصہ کی بناء پر بہت سے توہمات کو زرتشت مذہب میں جگہ دی اور ہندوؤں کی طرح دیوی اور دیوتاؤں کے قصوں کو اپنی مقدس کتابوں میں شامل کر لیا جس کی وجہ سے زرتشت ازم اپنی اصلیت کھو بیٹھا، بہر حال! زرتشت مذہب کی مقدس کتابیں درج ذیل ہیں۔

(۱) دساتیر (خورد)

(۲) دساتیر (کلاں)

(۳) اوستا (خورد)

(۴) اوستا (کلاں)

ان میں سے ''اوستا'' کو مذہبی طور پر سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، بنیادی طور پر اس کے پانچ حصے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) یاستا

اس حصے میں قربانی کی دعائیں اور تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

(۲) گاتھا

اس حصے میں مذہبی معلومات کو قصائد کی صورت میں بیان کیا گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ حصہ زرتشت کی خود اپنی تصنیف ہے اسی وجہ سے اس میں شرکیہ باتوں کا اضافہ نہیں ہوسکا اس کے برخلاف دوسرے حصوں میں دیوی اور دیوتاؤں کی تعریفات کے طومار بھرے پڑے ہیں۔

(۳) وسپرڈ

یہ حصہ خدا کی حمد وثناء پر مشتمل ہے۔

(۴) ونڈیداؤ

اس حصے میں شیطانی اور خبیث روحوں سے مقابلہ کرنے کی تدابیر بیان کی گئی ہیں۔

(۵) ایشٹ

یہ حصہ ۲۱ بھجوں پر مشتمل ہے جس میں ملائکہ اور قدیم ایرانی سورماؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔

زرتشت ازم کی اس مذہبی کتاب کو ساسانی بادشاہ ''شاہ پور دوم'' کی زیر نگرانی چوتھی صدی عیسوی میں پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا لیکن یہ بھی زمانے کی دستبرد سے محفوظ اور بعد میں ہونے والے اضافہ جات سے مامون نہ رہ سکی اور زمانہ مابعد میں آنے والے مصنفین نے اس پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔

زرتشت، مجوس اور اسلام کا تقابلی جائزہ

اس موقع پر یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ عوام کے ذہنوں میں چونکہ زرتشت اور مجوس ایک ہی مذہب کے دو مترادف نام ہیں اس لئے وہ ان میں تقابل کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے، بنا بریں ہم اس بات کی توضیح کرنا چاہتے ہیں کہ زرتشتی تعلیمات اور مجوسیت کبھی جمع نہیں ہو سکتے، اس کیلئے ذیل کی سطریں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) عقیدۂ توحید

یہ بات گزشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہے کہ زرتشت کی بنیادی تعلیمات توحید کے عنصر سے خالی نہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ خیر اور شر کا موجب الگ الگ ہستیوں کو قرار دیتا ہے دوسری طرف مجوس کے یہاں ''توحید'' کا کوئی پہلو موجود ہی نہیں، بنیادی طور پر وہ دو خداؤں کے قائل لیکن درحقیقت وہ بے شمار دیویوں اور دیوتاؤں کے پجاری ہیں جبکہ اسلام میں عقیدہ توحید کو جو اساسی اہمیت حاصل ہے وہ کسی اور عقیدہ کو نہیں، حتیٰ کہ اسلام میں خیر اور شر دونوں کا خالق ایک اللہ ہی کو قرار دیا گیا ہے اور شرک کو انتہائی نفرت آمیز فعل قرار دیکر اس کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

(۲) عقیدۂ رسالت

زرتشت کے نزدیک رسولوں سے متعلق حقائق موجود ہیں اور اس نے ان کی ضرورت و ذمہ داری سے بھی بحث کی ہے، دوسری طرف مجوس، زرتشت کے آنے سے پہلے تو رسولوں کے بالکل ہی قائل نہ تھے اور زرتشت کے آنے کے بعد اسے خدا کا اوتار ماننے لگے جبکہ اسلام میں عقیدہ رسالت ہر مسلمان کے ایمان کا ایک لازمی اور غیر منفک حصہ ہے۔

(۳) عقیدۂ بعث بعد الموت

زرتشت بعث بعد الموت کا قائل اور جنت و دوزخ کا معترف تھا، دوسری طرف

مجوس ، ہندوؤں کی طرح تناسخ اور آواگون کے قائل تھے جب کہ اسلام میں بعث بعد الموت اور جنت وجہنم کا وجود اور اس کا اقرار ایمانیات کا ایسا لازمی حصہ ہے جس کے بغیر ایمان نامکمل رہتا ہے۔

(۴) ملائکہ سے متعلق عقیدہ

زرتشت ملائکہ کو انسانی نشو ونما اور پرداخت کیلئے خارجی ہستیاں قرار دیتا ہے، دوسری طرف مجوسی عقائد میں فرشتوں کی کچھ اہمیت نہیں بلکہ وہ مردوں کی ارواح کے آنے جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں، جبکہ اسلام فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی مخلوق باور کراتا ہے جس کی تخلیق نور سے ہوئی ہے، اسے صرف اللہ کی اطاعت کیلئے پیدا کیا گیا ہے، جسمیں گناہ کا مادہ ہی نہیں ہے۔

(۵) رسم تدفین

مجوسی اور زرتشتی تعلیمات کے مطابق مردہ ناپاک ہوتا ہے اور زمین ہمیشہ سے پاک ہے اس لئے ناپاک مردے کو پاک زمین میں دفنا کر ایک پاک چیز کو ناپاک کرنا ہے جو ظاہر ہے کہ زمین کی سراسر بے حرمتی ہے اس لئے اگر کوئی شخص مر جائے تو اسے کسی اونچے مینار یا کسی اونچی جگہ پر رکھ دیا جائے تا کہ پرندوں کی خوراک بھی بن جائے اور زمین بھی ناپاک نہ ہو۔ جبکہ اسلام میں انسانی لاش کی بے حرمتی کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اسے زمین میں دفن کرنے کی نہ صرف یہ کہ ہدایت دی گئی ہے بلکہ اسے انعام خداوندی کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

(۶) رسم حنا

زرتشت اور مجوس کے یہاں سگے بہن بھائیوں اور دیگر حقیقی رشتہ داروں میں باہمی مناکحت کا سلسلہ قائم کرنا جائز ہے جبکہ اسلام میں اس کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور اس سلسلے میں اسلام کی ہدایات بہت واضح ہیں۔

باب ششم

عقائد ونظریات، احکام وتعلیمات، مختلف فرقے
اور مذہبی مقدس کتابیں، اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب ششم

﴿مانوی مذہب﴾

ایران جہاں آبادی کے اعتبار سے ایک زرخیز خطہ واقع ہوا ہے وہیں مذاہب کی تنوع مزاجی کو بھی اس سے بڑی نسبت رہی ہے، بہت سے مذاہب یہیں پھلے پھولے جن میں سرفہرست مجوسیت اور زرتشتیت ہے۔ انہی مذاہب میں سے ایک مذہب ''مانوی مذہب'' بھی ہے جس کا مرکز ومنبع ''ایران'' کو قرار دیا گیا ہے۔

بانی مذہب کے مختصر حالات

بہت سارے مذاہب کی طرح یہ مذہب بھی اپنے بانی کی طرف منسوب ہے چنانچہ اس کے بانی کا نام ''مانی'' تھا جو ۲۱۶ء میں ''طسیفون'' میں پیدا ہوا، یہ اعلیٰ درجے کا فنکار، مصور اور نقاش تھا، فلسفے میں بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کا باپ کافر تھا یعنی ابتداء وہ دین عیسوی کا پیروکار نہ تھا لیکن مانی کی پیدائش سے کچھ عرصہ قبل اس نے اپنا آبائی دین ترک کر دیا تھا۔

۲۴۲ء میں جبکہ مانی کی عمر صرف ۲۶ سال تھی، اس نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی۔ اس کی اطلاعات جب زرتشتی علماء کو ملیں تو انہوں نے اس کی سخت مخالفت کی، یہ مخالفت اتنی بڑھی کہ مانی کو اپنا وطن عزیز ایران چھوڑ کر جلاوطن ہونا پڑا، دوران جلاوطنی اس نے مختلف ممالک کا سفر بھی کیا۔

کچھ عرصہ بعد جب ایران کا بادشاہ ''شاہ پور اول'' مر گیا تو مانی پھر ایران میں واپس آ گیا اور نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ مانی نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنی کتاب ''اَرتنگ'' کو بھی الہامی کتاب قرار دیا، اس کے بعد شاہ پور دوم کے بھائی فیروز سے تعلقات بڑھا کر شاہی دربار تک رسائی حاصل کر لی اور شاہ پور دوم کو اپنا حامی بنانے میں کامیاب ہو گیا جس کی وجہ سے ایران میں ''مانوی مذہب'' پھیلتا چلا گیا۔

ادھر زرتشتی علماء کیلئے یہ مذہب ایک بہت بڑا چیلنج اور لمحہ فکریہ بن چکا تھا کیونکہ مانوی مذہب کی اشاعت کا مطلب زرتشت ازم کی موت تھا اس لئے وہ اندر خانے اپنی ریشہ دوانیوں سے باز نہ آئے اور جب ''بہرام'' تخت ایران پر متمکن ہوا تو اس نے انہی پروہتوں کے کہنے میں آکر مانوی مذہب کے پیروکاروں پر بہت ظلم کیا، خود مانی کو قتل کر دیا اور اتنا ذلت آمیز سلوک کیا کہ اس کی کھال کھینچ کر اس میں بھس بھر دیا، تاریخ کا یہ انتہائی ہولناک واقعہ ۲۷۶ء میں پیش آیا۔

مانوی مذہب کی بنیادی تعلیمات

مانوی مذہب میں دو چیزوں کو بنیادی اور اساسی اہمیت وحیثیت حاصل ہے۔

(۱) نور وظلمت

(۲) ماضی، حال اور مستقبل

مانی کے نزدیک نور، خدا کا پرتو ہے، جو ہر انسان کو تھوڑا بہت ضرور ملتا ہے، چاند اور سورج بھی اسی کے نور کا ایک حصہ ہیں جبکہ ظلمات کا منبع ومرکز ''شیطان'' ہے، رہا انسان تو وہ نیکی اور بدی کا ایک عجیب وغریب مرکب ہے۔

مانی اس بات کو تسلیم کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو برائی سے بچانے کیلئے بہت سے پیغمبر مثلاً حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، زرتشت، گوتم بدھ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ کے اس سلسلے میں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شامل نہیں کرتا تھا اور نہ ہی ان کا نام لیتا تھا اور اس سے بھی بڑھ کر قابل تعجب اور مضحکہ خیز یہ کہ وہ اپنے آپ کو آخری نبی قرار دیتا تھا اور انجیل میں جس ''فارقلیط'' کا ذکر آیا ہے، خود کو اسکا مصداق قرار دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں ''آخری پیغمبر ہوں اور لوگوں کیلئے علم وحکمت لیکر آیا ہوں''۔

مانوی مذہب پر نظریہ ثنویت وتثلیث کی چھاپ

چونکہ مانوی مذہب کا اصل منبع ایران تھا اس لئے اس نے لازمی طور پر ایرانی

مذاہب کا اثر بھی قبول کیا اور مجوس کیطرح وہ بھی ثنویت کا قائل رہا البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ مانی کا نظریہ ثنویت زرتشت کے نظریہ ثنویت سے ہرگز ماخوذ نہیں کیونکہ ''مانی'' کا دعویٰ یہ ہے کہ ابتداء میں صرف دو جوہر موجود تھے ا۔ نیک، ۲۔ بد، ان میں سے نیک جوہر کا نام ''پدرِ عظمت'' تھا اور جوہر بد کا نام ''خدائے ظلمت''۔

پھر پدرِ عظمت کے ماتحت پانچ مظاہر ہیں۔

(۱) ادراک

(۲) عقل

(۳) فکر

(۴) تامل

(۵) ارادہ

جبکہ خدائے ظلمت کے ماتحت اس کے علاوہ پانچ عناصر ہیں۔

(۱) دھواں

(۲) برباد کر دینے والی آگ

(۳) تباہ کر دینے والی ہوا

(۴) گدلا پانی

(۵) اندھیرا

ظاہر ہے کہ زرتشت کا نظریہ ثنویت اس سے یکسر مختلف ہے۔ معلوم ہوا کہ مانوی مذہب کا نظریہ مذکورہ زرتشت سے ہرگز ماخوذ نہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مانوی مذہب پر ''تثلیث'' کی چھاپ بھی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے جس کی بنیادی وجہ شام کا ایک عیسائی پادری ''باردیصان'' تھا، مانی اس سے بہت متاثر تھا اور بقول بعض حضرات کے، اس کی وجہ یہ تھی کہ باردیصان مانی کا استاذ تھا اس لئے مانی اس سے اتنا متاثر تھا یاد رہے کہ مذکورہ پادری کا انتقال ۲۲۲ء میں ہوا تھا۔

مانوی مذہب میں اثر تثلیث کو قبول کرتے ہوئے مندرجہ ذیل تین چیزوں کو ''اقانیم ثلاثہ'' کی حیثیت دی گئی ہے۔

(۱) پدر عظمت (۲) مادر زندگان
(۳) اولین انسان

﴿مانوی مذہب اور اسلام کا تقابلی جائزہ﴾

تقابل اور جائزہ سے قبل یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس وقت خطہ اراضی پر اس مذہب کا کوئی پیروکار اور نام لیوا باقی نہیں رہا، زیادہ سے زیادہ اس کے پیروکار تیرھویں صدی عیسوی تک چل سکے اس کے بعد یہ مذہب دنیا سے ناپید ہو گیا۔

اسلامی تعلیمات کے ساتھ مانوی مذہب کے تقابل کے سلسلے میں سب سے پہلی چیز تو عقیدہ توحید ہے کہ اسلام نے جس شدت کے ساتھ توحید کا پرچار کیا ہے، اسی شدت کے ساتھ مانوی مذہب اس کے تذکرے سے بھی خالی ہے۔

جہاں تک عقیدہ رسالت کا تعلق ہے اس میں اگرچہ وہ بہت سارے انبیاء کرامؑ کو تسلیم کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن اسلام نے کہیں بھی پیغمبروں کے درمیان تفریق روا نہیں رکھی، تفضیل الگ چیز ہوتی ہے اور تفریق شئی دیگر کا نام ہے اس پر مستزاد مانی کا دعویٰ ختم نبوت ہے جسے حقیقت سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

مانوی مذہب کے مطابق حضرت آدم و حوا علیہما السلام شیاطین کی اولاد تھے جبکہ اسلام میں اس نظریہ باطل کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات انتہائی واضح اور فطرت انسانی کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔

اسی طرح مانوی مذہب اپنے پیروکاروں کی درجہ بندی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ عام لوگوں کو ''سامعین'' کا خطاب دیا جائے اور خواص کا الگ حلقہ قرار دیا جائے جبکہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کی ایسی کوئی درجہ بندی نہیں کی جس سے امیر و غریب، اعلیٰ و ادنی، شریف و رذیل، کالے اور گورے، گھٹیا اور بڑھیا کی تفریق قائم ہو سکے، وہ اپنے تمام نام لیواؤں کو ایک ہی صف میں کھڑا دیکھنا چاہتا ہے اور کسی بھی مذہب کی خوبی اور عمدگی کی یہ ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

﴿شنٹوازم﴾

جاپان اس وقت دنیا کا اہم اور قابل ذکر ملک ہے لیکن اکثر و بیشتر محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ جاپان کی اصل تاریخ تیسری صدی عیسوی سے قبل شروع نہیں ہوتی اور قبل از تاریخ جاپان کے عمومی اور سرکاری مذہب یا طریقہء عبادت کے بارے کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ بعد از تاریخ جاپان کی ثقافت پر بدھ مت، تاؤ مت اور کنفیوشس ازم کا اثر رہا لیکن جاپانی مذہب کے طور پر جس ''دھرم'' کو اختیار کیا گیا وہ ''شنٹوازم'' ہے۔

دراصل ''شنٹو'' کا لغوی معنی ہے ''دیوتاؤں کے ڈھنگ'' یا ان کی راہ وغیرہ۔ یہ چینی زبان کا لفظ ہے اور دو الگ الگ لفظوں سے مرکب ہے ۱۔ شن، ۲۔ تاؤ جو بعد میں بگڑ کر ''شنٹو'' ہو گیا۔

شنٹوازم کی اہم باتیں

جاپان کا یہ قومی مذہب جو صرف اپنے ملک تک ہی محدود ہے، تقابل ادیان کے ماہرین کے نزدیک ''کثرت پرستی'' کا مذہب ہے کیونکہ خود شنٹوازم کے پیروکار اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے دیوتاؤں کی مجموعی تعداد اسی کروڑ ہے جبکہ اس مذہب کی تاریخی کتابوں میں یہ تعداد بڑھا کر آٹھ سو کروڑ تک بھی بیان کی گئی ہے جن میں سے چند ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) مظاہر پرستی

مظاہر پرستی کے معاملے میں جاپانیوں میں بڑی شدت پائی جاتی ہے، مظاہر فطرت میں ان کی رائے کے مطابق سب سے بڑا معبود سورج ہے، اسی طرح سمندروں، پہاڑوں، کھیتوں، درختوں، جانوروں اور پودوں وغیرہ کی عبادت بھی ان کے یہاں مروج ہے۔

(۲) اسلاف پرستی

اسلاف پرستی کا آسان اور متبادل ترجمہ ''مردہ پرستی'' ہے جس کی وجہ جاپانیوں

کی اپنی نظر میں بھی اپنے اسلاف سے محبت نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان سے خوف کھاتے ہیں اوران کے شر سے بچنے کیلئے ان کی عبادت کرتے ہیں۔

(۳) شاہ پرستی

جاپانیوں کا یہ نظریہ ہے کہ جس طرح ''سورج'' تمام معبودوں کا سردار ہے اسی طرح ''بادشاہ'' تمام جاپانیوں کا سردار ہوتا ہے، ادھر بادشاہوں نے اپنے آپ کو ''سورج دیوی'' کی اولاد قرار دینا شروع کر دیا جس کا لازمی نتیجہ ہوا کہ شنٹوازم میں بادشاہوں کو بھی خدائی کا درجہ مل گیا اوران کی بھی پرستش شروع ہوگئی۔

﴿شنٹوازم کی تین مختلف صورتیں﴾

ویسے تو شنٹوازم کے مرکزی فرقوں کی تعداد تیرہ ہے لیکن اس کی مخصوص صورتیں صرف تین ہیں۔

(۱) ریاستی شنٹوازم (۲) فرقہ وارانہ شنٹوازم

(۳) گھریلو شنٹوازم

ان میں سے ہر ایک کی قدرے تفصیل حسب ذیل ہے۔

ریاستی شنٹوازم

اس سے مراد سرکاری امداد کے ذریعے تیار کردہ شنٹوازم کی مذہبی اور مقدس زیارت گاہیں اور وہ تنخواہ دار علماء ہیں جن کی کفالت حکومت کے ذمے تھی، اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس زیارت گاہ کا کسی اہم اور مقامی دیوتا یا ہیرو یا کسی خاص واقعے سے منسوب ہونا ضروری تھا اور جو زیارت گاہ غیر معمولی اہمیت کی حامل ہوتی اسے دو عمارتوں کی صورت میں تعمیر کیا جاتا تھا ایک اندرونی اور دوسری بیرونی۔

بیرونی زیارت گاہ میں پہنچ کر زائر اس واقعے کی اہمیت پر غور وفکر کرتا ہوا درمیانے درجے کی کوئی بھینٹ چڑھاتا ہے اور مختصر سی عبادت کر کے جب اندرونی حصہ میں پہنچتا ہے تو وہاں اسے اس دیوتا یا واقعے سے متعلق اہم چیزوں کی زیارت کروائی جاتی

ہے۔

فرقہ وارانہ شنٹوازم

جیسا کہ یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ شنٹوازم کے مرکزی فرقوں کی تعداد تیرہ ہے، لیکن آسانی کی خاطر ہم انہیں تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں اور انہی کو ''فرقہ وارانہ شنٹوازم'' کہا جاتا ہے۔

(۱) وہ فرقے جن کی بنیادی عبادت کا مستحق پتھر ہیں خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہوں اسی لئے پہاڑ جاپانیوں کیلئے اپنے اندر مخصوص کشش رکھتے ہیں۔

(۲) وہ فرقے جو فلاحی اور بہبود عامہ کے کاموں میں رضا کارانہ طور پر شرکت کرنے پر زور دیتے ہیں۔

(۳) وہ فرقے جو فاقہ کشی، ضبط نفس، ٹھنڈے پانی میں نہانے اور اس قسم کی دیگر خرافات کا شکار ہیں۔

گھریلو شنٹوازم

عام جاپانی اور گھریلو زندگی میں شنٹوازم کی تصویر انتہائی سادہ ہے، شیلف کے اوپر اپنے خداؤں بالخصوص آباؤ اجداد کے نام کندہ کرانا، پھول اور پھل وغیرہ ان کے سامنے پیش کرنا، ہاتھ منہ دھو کر مختصر سی عبادت کر لینا گھریلو شنٹوازم کا ایک مختصر سا خاکہ ہے۔

شنٹوازم میں عبادت کا طریقہ

شنٹوازم کا کوئی بھی پیروکار جب اپنی مفروضہ عبادت ادا کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے بتوں کے سامنے آ کر سب سے پہلے دو مرتبہ جھکتا ہے، اس کے بعد گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا ہے، پھر جھکتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس دوران مخصوص دعائیں مانگتا رہتا ہے۔

شنٹوازم کی مذہبی کتابیں

اس مذہب کی دو کتابوں کا حوالہ مل سکا ہے جن میں قدیم دیوتاؤں کے حیرت

انگیز کارناموں اور درخت و پہاڑ جیسے دیوتاؤں کا بھی تذکرہ ہے۔

(۱) کوجیکی

(۲) فی ہونگی

﴿شنٹوازم اور اسلام کا تقابلی جائزہ﴾

ویسے تو یہ کوئی ایسا قابل ذکر مذہب نہیں جس کا اسلام کے ساتھ تقابل پیش کیا جائے تاہم اختصار کے ساتھ دو چار باتیں یہاں بھی عرض کی جاتی ہیں۔

آپ یہ بات معلوم کر چکے ہیں کہ یہ جاپان کا ایک مقامی مذہب ہے، جو دوسرے مذاہب بالخصوص بدھ مت سے انتہائی متاثر دکھائی دیتا ہے جبکہ اسلام کا تعارف ''مقامی مذہب'' سے کرنا نہ صرف یہ کہ اس کے ساتھ ظلم ہے بلکہ حقائق کا خون بھی ہے، کہاں اسلام کی عالمگیریت اور کہاں شنٹوازم کی تنگ دامنی، اس کے ساتھ ساتھ اسلام دین فطرت ہے جو کسی سے متاثر ہونے کی بجائے دوسروں پر ہمیشہ اپنا اثر چھوڑتا رہا ہے، اور اس کی یہی تاثیر دلوں میں ایک نئی روح پھونکتی ہے۔

عقیدہ توحید و رسالت سے دستبرداری، مظاہر پرستی اور معبودوں کی یہ کثرت اسلام کو ایک آنکھ نہیں بھاتی اسی لئے اسلام میں عقائد کی درستگی اور عبادت کا تعلق صرف اللہ سے جوڑنے پر انتہائی اہمیت کے ساتھ زور دیا جاتا ہے۔

پھر اسلام نے اپنے پیروکاروں کو عبادات کا جو بہترین مجموعہ ''نماز'' کی صورت میں عطا فرمایا، شنٹو ازم میں وہ بات کہاں؟ فطرت کی صحیح رہنمائی اور ذوق کی تسکین نماز کے علاوہ کسی اور طریقہ عبادت میں تلاش کرنا خام خیالی ہے۔

باب ہفتم

تاؤمت، کیلٹی ازم اور ٹیوٹانی مذہب

تعارف، عقائد، احکامات و تعلیمات، مختلف مکاتب فکر، کتب مقدسہ، اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب ہفتم

﴿تاؤمت﴾

سلسلہ مذاہب میں اس مذہب کا تعلق بھی ''چین'' سے ہے لیکن بحیثیت مذہب اسے عقائد و رسومات کی تصویر کشی کے ساتھ بیان کرنا مشکل ہے کیونکہ اس مذہب کی کوئی تاریخ ہے اور نہ ہی اس کے بانی کے مفصل اور مستند حالات دستیاب ہوتے ہیں، اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اس کا وجود ہی تسلیم نہیں کیا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ اس مذہب کی مقدس کتاب ایک مذہبی تحریر سے زیادہ فلسفے کا مختصر شاعرانہ بیان زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

بانی مذہب کے مختصر حالات

اس مذہب کا بانی چین کا ایک بہت بڑا فلسفی ''لاوَزے تاوَ'' تھا جس کا اصلی نام ''لی پہ یانگ'' تھا، اس کا نام لاوَزے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی ہے ''بوڑھا فلسفی'' چونکہ لاوَزے لوگوں کو اپنے فلسفے کی تعلیم دیا کرتا تھا، اس لئے اس کا یہ نام پڑ گیا۔

اس کی پیدائش ۶۱۰ ؁ ق م میں ہوئی اور بعض تاریخی روایات کے مطابق یہ ''کنفیوشس'' سے پچاس برس پہلے پیدا ہوا تھا اور ان دونوں کی باہمی ملاقات کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے، ابتداء میں لاوَزے مملکت کی شاہی دستاویزات کا محافظ تھا لیکن جب ملکی حالات بگڑنا شروع ہوئے تو وہ اس عہدے سے مستعفی ہوگیا اور چین چھوڑنے پر مجبور ہوگیا۔

ہجرت کی نیت سے جب وہ سرحد پر پہنچا تو سرحدی محافظ نے انسے پہچان لیا اور کہا کہ میں آپ کو اس وقت تک سرحد پار نہیں کرنے دوں گا جب تک آپ اپنی تعلیمات لکھ کر مجھے نہ دیدیں۔ لاوَزے نے مجبور ہو کر ایک تاریخی کتاب ''تاوَتے چنگ'' سپرد تحریر کی اور وہ محافظ کے حوالے کر کے وہاں سے روانہ ہوگیا، اس کے بعد وہ کہاں پہنچا اور اس کے ساتھ کیا حالات پیش آئے اور کب اس کا انتقال ہوا؟ تاریخ اس بارے مکمل خاموش ہے۔

تاؤ مت عقائد کی صورت میں

اس مذہب کی مقدس اور مذہبی کتاب کا ترجمہ بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ۸۱ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں تلاش بسیار کے بعد صرف ایک مرتبہ ''خدا'' کا لفظ مل سکا ہے اور اکثر تراجم میں وہ بھی نہیں ہے۔ اسی طرح حیات بعد الموت پر بھی ان لوگوں کا اعتقاد نہیں تھا، اس کے علاوہ ان کے عقائد و تعلیمات حسب ذیل تھیں۔

(۱) ''تاؤ'' کا وجود ہمیشہ سے ہے اور اس پر کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا جس میں وہ موجود نہ رہا ہو۔

(۲) ''تاؤ'' ہر جگہ موجود ہے۔

(۳) ''تاؤ'' ہی کے دم سے کائنات قائم ہے۔

(۴) چاند اور سورج اپنے اپنے مدار میں تاؤ کی وجہ سے گھومتے ہیں۔

(۵) ''تاؤ'' بذات خود کوئی جسم نہیں رکھتا البتہ تمام اجسام اسی کے پیدا کردہ ہیں۔

(۶) تمام مخلوقات کو روزی پہنچانے والا بھی ''تاؤ'' ہی ہے۔

(۷) لاؤزے کا کہنا تھا کہ کائنات کے پیچھے کارفرما بنیادی اکائی ایک پراسرار اور ناقابل بیان قوت ہے جو ''تاؤ'' کہلاتی ہے۔ جلد یا بدیر انسانی راحت و آرائش کے تمام اسباب کا خاتمہ بھی اسی کے ہاتھوں ہوگا۔

(۸) لاؤزے یہ بھی کہتا تھا کہ زندگی عظیم ترین اثاثہ ہے اسی وجہ سے تاؤ مت کے پیروکار اپنی زندگی اور عمر بڑھانے کے لئے مختلف کیمیائی اور جادوئی طریقوں کا استعمال کرتے تھے۔

(۹) اسی طرح تاؤ کے نزدیک زندگی سادہ طرز و اطوار کا نام ہے، نام و نمود اسے پسند نہیں اور تکبر سے بھی اسے نفرت ہے۔

﴿ تاؤمت کے اخلاقی اصول ﴾

لاؤزے کے مطابق ''انسان'' کائنات کا ایک حصہ ہے اور جب یہ انسان فطری قوانین کے سامنے سر جھکا دیتا ہے تو وہ اپنی خواہشات اور جذبات پر قابو اور دوسروں پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے، اسی طرح لاؤزے لالچ کو بہت بڑی مصیبت قرار دیتا ہے وہ قیدیوں کو سخت سزا دینے کے حق میں نہیں تھا، وہ موت کو ایک خوشگوار چیز قرار دیتا تھا جس سے انسان کو خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے۔

چونکہ لاؤزے کا مذہب زیادہ تر فلسفیانہ ہے اس لئے عوام اسے نہیں سمجھ سکے البتہ اتنا ضرور ہوا کہ عوام نے اسے اپنا معبود قرار دے لیا اور جانوروں کو اس کا اوتار سمجھنے لگے، بعد میں آنے والے لوگوں نے کنفیوشس ازم کے ردشدہ عقائد کو دوبارہ اس میں داخل کر دیا، جس کی وجہ سے چین میں اسکی مقبولیت بڑھ گئی۔

﴿ تاؤمت کے مختلف مکاتب فکر ﴾

یاد رہے کہ تاؤمت میں جن مکاتب فکر کو نمایاں اہمیت حاصل ہوسکی وہ تین ہیں۔

(۱) کنفیوشس پسند (۲) ضابطہ پرست (۳) موہسٹ

کنفیوشس پسند

اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ گو کہ تاؤمت ہی کو اپنا مذہب قرار دیتے تھے لیکن بہت ساری چیزوں میں وہ کنفیوشس کی تعلیمات کو فوقیت اور اہمیت دیا کرتے تھے، اسی لئے ان کا نام ہی ''کنفیوشس پسند'' پڑ گیا۔

ضابطہ پرست

اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی نگاہوں میں مذہب کا کوئی مقام نہ تھا بلکہ یہ لوگ قانون کی پابندی اور مستحکم حکومت کی ضرورت واہمیت پر بہت زور دیتے تھے۔

موہسٹ

اس مکتبہ فکر کا بانی ''موتزو'' تھا جو ابتداءً تو کنفیوشس پسند گروہ میں شامل رہا لیکن بعد میں اس نے اپنا الگ فلسفہ تشکیل دیا، اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ امن پسند ہوتے ہیں، جنگ اور لڑائی جھگڑے سے کتراتے ہیں البتہ اگر دفاع کی ضرورت پڑ جائے تو عمارتوں کی حصار بندی کی اجازت بھی دیتے ہیں۔

تاؤمت کا مقدس اور مذہبی ورثہ

مذہبی طور پر تاؤمت میں جو تقدس اور احترام لاؤزے تاؤ کی اپنی تصنیف ''تاؤتے چنگ'' کو حاصل ہوا وہ اس مذہب کیلئے قابل فخر ہے جس کا لفظی معنی ہے ''قدیم راستہ اور اس کی قوت یا فضیلت'' پانچ ہزار الفاظ سے لکھی گئی اکیاسی ابواب پر مشتمل یہ کتاب شاعرانہ انداز میں تحریر کی گئی ہے جس کے صرف انگریزی زبان میں چالیس سے بھی زیادہ ترجمے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد لاؤزے تاؤ کے ایک شاگرد ''چانگ تزو'' کی تحریرات کو بھی نہایت اہمیت دی گئی اور اس مذہب کو سمجھنے کیلئے ان ہی دو کتابوں پر زیادہ تر انحصار کیا جاتا ہے۔

تاؤمت اور اسلام کا تقابلی جائزہ

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو بانی مذہب کی سوانح حیات سے متعلق ہے کہ جس شخص کی طرف اس مذہب کی نسبت ہے وہی نامعلوم ہے۔ پھر اس سے زیادہ قابل تعجب بات یہ ہے کہ بانی مذہب اپنے تمام فلسفیانہ نکات ونظریات تحریر کر کے ایک سرحدی محافظ کو دے گیا اور بعد میں اس کا کچھ پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں گیا؟

جبکہ دوسری طرف اسلام کی دولت ہمیں جس ذات ستودہ صفات کے ذریعے حاصل ہوئی ان کی نجی زندگی تک کا ایک ایک گوشہ محفوظ ہے، پھر ایسا بھی نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی قرآن کریم تحریر کر کے اپنے صحابہؓ کو دیدیا ہو اور خود رحلت فرما گئے ہوں

بلکہ آپکی تعلیمات اور قرآن کریم کے واضح بیانات نے یہ بات سمجھائی کہ یہ قرآن کائنات رنگ و بو کو وجود بخشنے والے اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کی تصنیف ہرگز نہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ تاؤمت کی عقیدہ توحید و رسالت اور عقیدہ آخرت سے غیر وابستگی اور تاؤ کی غیر معمولی اہمیت اور اس کا درجہ خدائی بھی اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کا فلسفہ عوام کی سمجھ میں کبھی نہیں آ سکا جبکہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ اس کا فلسفہ ایک عام سے عام انسان کی سمجھ میں بھی بآسانی آ سکتا ہے۔

کیلٹی ازم

اس مذہب کے متعلق کچھ زیادہ تفصیلات تو نہیں مل سکیں اور نہ ہی اس کے بانی کا کچھ پتہ چل سکا کہ وہ کون تھا؟ کب اور کہاں پیدا ہوا؟ کب اور کہاں انتقال کیا؟ تاہم اتنی بات واضح ہے کہ "کیلٹی" آریاؤں کی ایک شاخ ہے جس کی طرف اس مذہب کی نسبت ہے۔

مختصر تعارف

ابتداءً یہ لوگ مظاہر پرستی کے روگ میں مبتلا تھے، ان کے نزدیک دریا، سمندر اور جھیلیں خداؤں کا مسکن تھیں اسی لئے وہ ان جگہوں پر قیمتی چیزیں ڈالا کرتے تھے تا کہ اپنے خداؤں کو قیمتی سے قیمتی اور بڑھیا سے بڑھیا نذرانہ گزار سکیں تاہم بعد میں ان لوگوں نے عیسائیت کو قبول کر لیا تھا۔

اسی طرح اس مذہب میں درختوں اور جانوروں کی پوجا بھی عام تھی، اس مذہب کے پیروکار مردوں سے بہت ڈرتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد مردوں کی روحیں واپس آجاتی ہیں، اسی خوف کی وجہ سے یہ لوگ مردے کی تمام چیزیں بھی اس کے ساتھ ہی قبر میں دفن کر دیتے تھے تا کہ مردہ ان کے لالچ میں گھر واپس نہ آجائے۔

اس مذہب میں چونکہ مندر وغیرہ بنانے کا کوئی رواج نہیں تھا اس لئے عام طور پر عبادت گھروں میں ہی کی جاتی تھی، یہ لوگ آواگون پر عقیدہ رکھتے تھے اور اکثر کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ ارواح انسانی غیر فانی ہیں، دنیا کے مکمل خاتمے پر بھی انہیں یقین تھا تاہم اس کے علاوہ ان کے اکثر عقائد ہندومت کے انتہائی قریب بلکہ اس کے ساتھ مشترک تھے۔

ٹیوٹانی مذہب

سلسلہ مذاہب کے درمیان سے یہ مذہب بھی تقریباً ناپید ہو کر رہ گیا ہے اسی وجہ سے اس کی خاطر خواہ اور معتد بہ معلومات کا دستیاب ہونا بھی مشکل ہوتا ہے۔ ویسے بنیادی طور پر اس مذہب کے پیروکار مختلف ممالک مثلاً ناروے، سویڈن، ڈنمارک، ہالینڈ، انگلینڈ، سوئٹزرلینڈ اور آئس لینڈ میں پائے جاتے تھے۔

کسی بھی مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کا ذریعہ اس کی مذہبی کتابیں ہوتی ہیں اس لئے ہمیں ٹیوٹانی مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے بھی اس کی مقدس کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوگا جنہیں ''ایڈ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس مذہب کی جو قدیم کتابیں دستیاب ہوسکتی ہیں وہ بارہویں صدی میں لکھی گئی ہیں اور ان کا لکھنے والا بھی معلوم نہیں اس لئے ان کتابوں پر کسی مذہب کی بنیادی تعلیمات کو سمجھنا ہرگز موقوف نہیں کیا جاسکتا۔

البتہ تیرہویں صدی میں اس مذہب کی جو کتابیں احاطہ تحریر میں لائی گئی ہیں ان کا مصنف ایک مؤرخ ''اسنوراسٹر'' بتایا جاتا ہے اور ان کتابوں میں دیوتاؤں کی شان میں گیت، ان کی صفات اور اختیارات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

مظاہر پرستی اس مذہب میں بھی عام ہے اور آسمان، سورج، چاند اور زمین وغیرہ بھی ان کے دیوتاؤں میں شمار ہوتے تھے، نیز ہر قبیلے کا الگ بت اور الگ دیوتا ہوا کرتا تھا اور مختلف دیوتاؤں کے ذمے مختلف کام ہوا کرتے تھے مثلاً ایک دیوتا کا نام ''تھور'' تھا جس کا شمار بڑے دیوتاؤں میں ہوتا تھا اور اسے زرخیزی و خوشخبری کا پیامبر سمجھا جاتا تھا۔

تھور سے بڑے دیوتا کو ''وُڈن'' کے نام سے پکارا جاتا تھا اور اس کا شمار ''جنگجو'' کے طور پر ہوتا تھا، اس کی بیوی کا نام ''فرگ'' تھا جو شادی کے فرائض سرانجام دیتی تھی۔

ٹیوٹانی مذہب کے مختلف عقائد

ٹیوٹانی مذہب میں مظاہر پرستی کے ساتھ ساتھ شاہ پرستی کا بھی رواج تھا اور وہ

اپنے بادشاہ کو دیوتا کا درجہ دیتے تھے، تخلیق کائنات کے سلسلے میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ دنیا کے وجود سے پہلے کچھ نہ تھا، صرف اور صرف خلا تھا، اس کے بعد جب دنیا کو وجود ملا تو رفتہ رفتہ اس کی صورت حال تبدیل ہوتی گئی۔

اس مذہب میں عبادت خانہ ''مندر'' کی شکل میں ہوتا تھا جہاں جانور کی قربانی کر کے اس کا خون حاضرین پر چھڑکا جاتا تھا اور اس کا گوشت مہمان نوازی کے کام آتا تھا۔ یہ لوگ اس بات پر اعتقاد رکھتے تھے کہ مرنے کے بعد انسان کی روح قبر ہی میں رہتی ہے تاہم جزا و سزا سے متعلق ان کا نظریہ واضح نہیں، اسی طرح اور بھی بہت ساری باتیں اس مذہب میں تشنگی کا شکار ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ اس مذہب سے تعلق رکھنے والے اکثر لوگوں نے پہلے عیسائیت کو قبول کیا لیکن بعد میں اسے بھی خیر باد کہہ کر لادینیت اور دھریت اختیار کر لی۔ اعاذنا اللہ منہا

باب ہشتم

یہودیت

تاریخ یہود، تاریخ اسرائیل، خداوند یہود کا تعارف،
تورات وزبور میں تحریف کے اسباب،
تہوار اور رسومات، مختلف فرقے اور مذہبی کتابیں،
اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب ہشتم

﴿یہودیت﴾

تاریخی لحاظ سے ''یہودیت'' دنیا کے قدیم ترین اور بڑے مذاہب میں سے ایک ہے جس کی نسبت اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کی جاتی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ آیا لفظ ''یہودی'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بعد ہی متعارف ہوا یا پہلے سے ہی یہ زبان زد عام تھا، یہاں یہ بات ذکر کرنا مقصود ہے کہ چونکہ ''یہودی'' بول کر مروجہ اصطلاحات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیروکار ہی مراد لیا جاتا ہے، اس لئے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل اور بعد کے حالات کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس کا تاریخی پس منظر بھی واضح ہو جائے اور عام حالات کا بھی ایک اندازہ ہو جائے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ چونکہ یہودیوں کا تعلق عبرانی نسل سے ہے اس لئے ان کے عقائد بھی ''عبرانی'' تھے، سامی النسل ہونے کی وجہ سے ان کا مذہب بہت حد تک اہل عرب سے بھی ملتا جلتا تھا اور مصر میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے ان کے مذہب نے مصری مذاہب وعقائد سے بھی تاثر قبول کر کے اپنے اندر انہیں مدغم کر لیا تھا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل یہ لوگ بت پرستی میں بھی مبتلا تھے اور ان کے یہ بت درحقیقت حضرت نوح علیہ السلام، ان کی اولاد اور مقدس ہستیوں کے وہ مجسمے تھے جنہیں ابتداء یادگار کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا لیکن بعد میں ان کی پوجا شروع ہو گئی۔

قدیم بنی اسرائیل اور ان کے عقائد

یہودیوں کو ''بنی اسرائیل'' کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے، چنانچہ خود قرآن میں یہ لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے، اصل میں ''بنی اسرائیل'' کا معنی ہے ''اسرائیل کی اولاد'' اور اسرائیل لقب ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کا، یاد رہے کہ ''اسرائیل'' عبرانی زبان کا

ایک مرکب لفظ ہے جو اصل میں تھا ''اسرا'' اور ''ایل'' دونوں کو ملانے سے اسرائیل ہو گیا، اسرا کا معنیٰ ''عبد'' (بندہ) اور ''ایل'' کا معنیٰ ''اللہ'' تو اسرائیل کا معنیٰ ہوا عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ۔ چونکہ یہودی حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے انہیں بنی اسرائیل بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

بہر حال! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل یہودی عبادات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) خاندانی دیوتاؤں کی عبادت (۲) پتھروں کی عبادت

(۳) قومی دیوتاؤں (بادشاہوں) کی عبادت

چنانچہ بنی اسرائیل میں مورتیوں کی شکل میں ہر خاندان کا الگ الگ دیوتا ہوتا تھا، خاندانی دیوتاؤں کی یہ مورتیاں چھوٹی جسامت میں ہوتی تھیں اور ''تراخیم'' کہلاتی تھیں۔ اسی طرح پتھروں کی پوجا اور ان پتھروں سے بت تراشی بھی عام تھی، بعض قربان گاہوں میں یہ بھی ہوتا تھا کہ صرف ایک پتھر کھڑا کر دیا جاتا جس پر تیل ڈالا جاتا اور اس کے سامنے قربانی کی جاتی، اس جگہ کا نام ان لوگوں کے یہاں ''بیت اہل'' تھا۔

رہے بنی اسرائیل کے وہ قومی دیوتا جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے، سو ان کی تفصیل تاریخ میں نہیں مل سکی۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جب یہودیوں نے کنعان پر غلبہ حاصل کیا تو وہ اس وقت کے دو مقامی بادشاہوں ''بَعْل اور مُـــولَك'' کی روحوں سے فیض حاصل کرنے کے مدعی تھے اس لئے قومی دیوتاؤں میں انہیں بہت شہرت حاصل تھی۔ خاص طور پر ''مولک'' کی پرستش دنیا کی بہت سی اقوام میں رائج تھی، بنی اسرائیل نے جب اس کی پوجا شروع کی تو وہ اس حد تک بڑھے کہ اپنے بچوں کی قربانیاں بھی اسی کے نام پر کرنے لگے، بعد میں اسی بُت کو ''یہوداہ'' کا نام دیدیا گیا۔

یہوداہ کا تعارف

مؤرخین کے درمیان اس کے صحیح تلفظ میں اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات نے اسے ''یہودہ'' پڑھا ہے اور بعض نے یہوداہ قرار دیا ہے جبکہ بعض حضرات کی رائے میں یہ لفظ ذال کے ساتھ ''یہوذاہ'' صحیح ہے، شاید آپ یہ پڑھ کر حیران ہو رہے ہوں گے

کہ یہود جس دیوتا کی عبادت کرتے تھے اور بزعم خویش اسے اپنا معبود سمجھتے تھے، اس کے نام کا صحیح تلفظ کرنے پر بھی وہ قادر نہیں؟ آپ اس حیرانی میں یقیناً حق بجانب ہیں کیونکہ اس کی وجہ بھی بہت حیران کن ہے اور وہ یہ کہ یہودیوں کے یہاں اپنے خدا کا نام لینا بے ادبی اور قابل مؤاخذہ جرم تھا، اور جو شخص اپنے خدا کا نام لیتا اس کی سزا یہ تھی کہ اسے سنگسار کر دیا جائے، بس اتنی اجازت تھی کہ سال میں ایک مرتبہ بیت المقدس میں تمام یہودی اکٹھے ہو جائیں اور ایک مقدس آدمی اس کا نام لے لے لیکن باقی لوگ پھر بھی اس کا نام نہ لیں بلکہ خاموشی سے اسے سنتے رہیں۔

ان کڑی سزاؤں اور تادیبی کاروائیوں کیوجہ سے یہود اپنے خدا کے نام سے اتنے ناآشنا ہوئے کہ وہ اس کا صحیح تلفظ تک بھول گئے اور مؤرخین کو اس پر بھی بحث کرنا پڑی کہ خداوند یہود کے نام کا صحیح تلفظ کیا ہے۔

الغرض! جب یہودیوں کے دلوں میں قومی دیوتا کی حیثیت سے ''یہوداہ'' کی عظمت گھر کر گئی تو رفتہ رفتہ انہوں نے اس کے اختیارات میں بھی اضافہ کرنا شروع کر دیا چنانچہ پہلے یہ کہا گیا کہ یہوداہ ہی ہمیں دشمنوں پر فتح دیتا ہے اور ان کے حملوں سے ہماری حفاظت کرتا ہے، پھر اس پر یہ اضافہ ہوا کہ یہوداہ کی قوت عام انسانوں سے زیادہ ہے۔ اسی لئے وہ ان کی دعائیں بھی سنتا ہے اور ان کی مدد بھی کرتا ہے۔ پھر یہ سمجھا جانے لگا کہ اس کا ٹھکانہ بادلوں کی کڑک اور گھن گرج میں ہے اس اعتبار سے یہوداہ بادلوں اور طوفانوں کا دیوتا قرار پایا۔

حضرت داؤد علیہ السلام جب تک بنی اسرائیل کے حکمران رہے اور ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کی تاریخی اور عظیم الشان حکومت قائم رہی، اس وقت تک تو یہودی صحیح رہے لیکن جوں ہی ان کی آنکھیں بند ہوئیں، یہ پھر اپنی پرانی روش پر چلنے لگے اور ''یہوداہ'' کی صفات میں بھی کچھ اضافہ کر دیا چنانچہ اسے حضرت آدم علیہ السلام کا خالق ہونے کی حیثیت سے باور کرایا گیا اور یہ تصور دیا گیا کہ کوئی انسانی آنکھ ''یہوداہ'' کو نہیں دیکھ سکتی، اگر کسی نے اسے دیکھ لیا تو وہ مر جائیگا۔

محترم جناب مظہر الدین صدیقی صاحب نے آمد موسیٰ علیہ السلام سے قبل کے

حالات پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس ماحول میں پرورش پائی، اس میں مشرکانہ رسوم اور بت پرستانہ عقائد کی گرم بازاری تھی، دوسری اقوام کی عبادت اور پرستش کو قبول کرنے میں مصری بہت فراخ دل واقع ہوئے تھے چنانچہ کنعانی دیوتاؤں بعل اور ہرون کی پرستش، مصری دیوتاؤں مثلاً سیت، ہورس اور ایسس کے ساتھ ساتھ جاری تھی، اسی طرح کنعان میں کئی مصری دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی تھی، عام مذہبی حالت بہت پست تھی، کنعانیوں میں ''حرام کاری'' کو مذہبی تقدس حاصل ہوگیا تھا، کنعانی مندروں میں اِغلام کرنے والے مردوں کا ایک باقاعدہ اور مسلمہ مذہبی طبقہ موجود تھا، سانپوں کی پرستش بھی عام تھی اور انسانی قربانی ان کی ایک معمولی عادت تھی، مصریوں کے مذہبی رسوم بھی کچھ کم قبیح نہ تھے، جانوروں کی پرستش مصری مذہب کا ایک مسلمہ جزو تھا'' الخ

(اسلام اور مذاہب عالم ص ۵۸)

تاریخ میں جب بھی خانہ بدوشی اور اس سے وابستہ افراد کا تذکرہ کیا جائیگا، وہاں یہویوں کا تذکرہ ضرور ہوگا جیسا کہ خود تورات میں اس کا تذکرہ موجود ہے اور تواریخ بھی اس کے تذکرے سے یکسر خالی نہیں، یہی وجہ ہے کہ یہودی سابقہ ادوار میں کبھی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہے بلکہ ہمیشہ اپنے ٹھکانا بدلتے رہے جس کی برکت سے ''یہوداہ'' کا ٹھکانہ بھی بدلتا رہا، بالآخر خانہ بدوشی کی اس زندگی کا خاتمہ ہوا جس کا نقطہ آغاز یروشلم میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر تھی، اس تعمیر کے بعد یہودیوں نے اپنے خداوند یہوداہ کو ہیکل سلیمانی میں منتقل کر دیا اور وہ آج تک وہیں ہے، یہودیوں کی بیت المقدس سے دلچسپی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ چونکہ ان کا خدا وہاں موجود ہے اس لئے وہ ہیکل سلیمانی کو وسیع کرنا چاہتے ہیں، مسجد اقصیٰ سے نہ پہلے انہیں کوئی دلچسپی تھی اور نہ اب ہے۔

تاریخ یہود اور اسرائیل کا پس منظر

ہیکل سلیمانی کی بات آہی گئی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی یہودیوں کا تاریخی جائزہ یہیں پیش کردیا جائے تاکہ اس مذہب سے تاریخی طور پر بھی واقفیت حاصل ہو جائے، اس سلسلے میں آپ ہمارے ساتھ ہزاروں سال پیچھے کا سفر کریں، تاریخ کے اوراق آپ کے سامنے کھل رہے ہیں، غور کر کے دیکھیں! کہ ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہونے میں تقریباً ایک ہزار سال کا عرصہ باقی ہے، یہودیوں نے فلسطین میں اپنی ایک ریاست قائم کرلی ہے جسے اس دور کی عظیم الشان حکومت قرار دیا جارہا ہے۔

اس حکومت کو حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کے دور حکومت میں خاصا عروج اور ترقی حاصل ہوئی لیکن ان حضرات کے انتقال کے بعد یہ عظیم الشان سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، اس تقسیم کو دیکھ کر رومیوں کو حوصلہ ہوا اور انہوں نے آہستہ آہستہ فلسطین پر اپنا تسلط قائم کرنا شروع کردیا۔

اس سلسلے میں رومیوں نے فلسطین پر کئی مرتبہ حملہ کیا اور بالآخر وہ ۶۳ ق م میں فلسطین پر مکمل قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور بظاہر فلسطین کی حکومت یہودیوں سے چھن گئی، اگرچہ ۱۳۵ء میں یہودیوں نے رومیوں کے خلاف بڑے پیمانے پر بغاوت کی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے، تاہم اس کا نتیجہ یہ ضرور نکلا کہ رومیوں نے آئندہ کسی بھی قسم کی بغاوت سے بچنے کیلئے یہودیوں پر مظالم ڈھانا شروع کردیئے۔

رومیوں کے ان مظالم سے تنگ آکر یہودی بالآخر ترک وطن پر مجبور ہوگئے اور فلسطین کو چھوڑ کر ایشیا اور یورپ کے علاقوں میں جا کر بس گئے، اس کے بعد وہ متواتر سترہ صدیوں تک مختلف حالات سے دوچار ہوتے رہے لیکن اس دوران انہیں اپنے آپ کو نمایاں کرنے کا کوئی موقع نہ مل سکا اسی لئے اٹھارویں صدی تک یہودی کسی قابل ذکر واقعے میں نظر نہیں آتے۔

اٹھارویں صدی بھی یہودیوں کیلئے خوش خبری کا پیغام نہ لاسکی اور ایک مرتبہ پھر وہ ماحول کی ناسازگاری کا شکار ہوئے جس کا سبب یورپ میں آزاد خیالی کا فروغ بنا، مختلف ممالک کے ادیب اور اہل قلم حضرات نے جب لوگوں کے معاشی اور معاشرتی

مسائل پر قلم اٹھایا تو یہود کے خلاف بھی آواز بلند کی، جس سے یورپ کے اکثر ممالک میں یہودیوں کے خلاف نفرت کی فضا قائم ہوگئی اور یورپی ممالک میں بالخصوص پولینڈ، روس اور مشرقی یورپ میں یہودیوں پر مظالم ڈھائے جانے کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا۔

مظالم کا یہ سلسلہ جب بڑھتا ہی چلا گیا تو روس کے ایک یہودی النسل ڈاکٹر ''ہون بنسکر'' نے ۱۸۸۲ء میں ایک کتاب لکھی جس میں اس نے یہودیوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی حفاظت کیلئے ایک آزاد اور خود مختار ریاست قائم کریں۔ اس کے بعد مختلف صحافیوں نے اس موضوع پر مضامین لکھنا شروع کردیئے کہ یہودیوں کو ارض مقدس میں جا کر آباد ہو جانا چاہئے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشہور صحافی ''تھیوڈر ہرزل'' نے ایک تحریک شروع کی جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہودیوں کو ایک آزاد مملکت قائم کرنے پر ابھارے، یہ وہی مشہور تحریک ہے جس کا نام ''صیہونی تحریک'' ہے۔ اس تحریک نے یہودیوں میں اپنی جڑیں مضبوط کرنا شروع کردیں اور انہوں نے یورپی ممالک کو چھوڑ کر فلسطین میں آکر آباد ہونا شروع کردیا، آہستہ آہستہ فلسطین میں یہودی آبادی میں اضافہ ہونا شروع ہوگیا اور یوں فلسطین کی اکثر زمین پر یہوذیوں کا قبضہ ہوگیا اور اس تعداد میں دیکھتے ہی دیکھتے اتنا اضافہ ہوا کہ پہلی جنگ عظیم تک فلسطین میں موجود یہودیوں کی تعداد اسی ہزار ہوگئی۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو برطانیہ نے اعلان کیا کہ ''حکومت برطانیہ کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کا ایک وطن قائم کیا جائے گا جس کیلئے برطانوی حکومت اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش اور تعاون کرے گی۔''

یہ وضاحت بھی کی گئی کہ فلسطین میں موجود دوسری اقوام کو بھی مذہبی اور شرعی حقوق دیئے جائیں گے۔ فلسطینی حکومت کے قیام کا اعلان سن کر عرب ممالک میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور برطانیہ کے اس فیصلے کے خلاف کھلم کھلا اپنے جذبات کا اظہار کیا جانے لگا کیونکہ پہلی جنگ عظیم کے آغاز تک فلسطین ترکی کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا لیکن جنگ کے دوران برطانیہ نے اس پر قبضہ کرلیا تھا۔

جنگ عظیم کے منحوس سائے جب چھٹے تو جولائی ۱۹۲۰ء میں اتحادیوں کی اعلیٰ کمان کا ایک اہم اجلاس ہوا، جس میں فیصلہ کیا گیا کہ فلسطینی علاقہ برطانیہ کی تحویل میں

دیدیا جائے۔ اس فیصلے پر عملدرآمد کے بعد جب فلسطین پر برطانوی اقتدار کا تسلط قائم ہوگیا تو اس سے یہودیوں کو بہت تقویت ملی جسے دیکھ کر دنیا بھر سے یہودی آ کر یہیں آباد ہونا شروع ہو گئے۔

تاہم انتقال آبادی کی اس تیز رفتاری کے باوجود یہودیوں کی ایک بڑی تعداد جرمنی میں آباد رہی۔ لیکن جب دوسری جنگ عظیم سے قبل ہٹلر کا دور حکومت آیا تو اس نے جرمنی میں موجود یہودیوں پر اتنے مظالم ڈھائے کہ بالآخر یہودیوں نے جرمنی کو بھی خیرباد کہنا شروع کر دیا اور تقریباً ساٹھ ہزار جرمن یہودی فلسطین میں آکر آباد ہو گئے۔

فلسطین میں یہودیوں کو اس بڑھتی ہوئی اور روز افزوں تعداد کو دیکھ کر فلسطینی عرب باشندوں کو احساس ہوا کہ اگر یہودیوں کی تعداد اسی طرح بڑھتی رہی تو ہم لوگ ''اقلیت'' کے درجے میں رہ جائیں گے، یہ سوچ کر انہوں نے ہنگامے شروع کر دیئے۔

یہ ہنگامے اتنے زیادہ ہوئے کہ برطانوی حکومت کو مجبور ہو کر ایک کمیشن قائم کرنا پڑا جس کا مقصد یہ تھا کہ عربوں اور یہودیوں میں صلح ہو جائے لیکن اس میں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، پھر تقسیم فلسطین کی قرارداد پیش کی گئی لیکن عربوں نے اس کی بھی مخالفت کی اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

اس کے بعد اگست ۱۹۳۷ء میں یہودیوں کا ایک عالمی اجلاس سوئٹزرلینڈ میں طلب کیا گیا، اسی طرح ۱۹۳۹ء کے آغاز میں لندن میں ایک گول میز کانفرنس ہوئی لیکن عربوں نے کسی اجلاس میں شرکت نہ کی، جس کا مطلب یہ تھا کہ فلسطینی عرب کسی سمجھوتے پر راضی نہیں ہیں اور وہ اپنے آپ کو کبھی بھی اقلیت تسلیم نہیں کر سکتے۔

مسئلہ فلسطین نے جب نزاکت اختیار کی تو ۱۷ مئی ۱۹۳۹ء کو برطانوی حکومت نے مسئلہ فلسطین پر ایک ''قرطاس ابیض'' شائع کیا جس میں اس بات کی یقین دہانی کرائی گئی کہ برطانوی حکومت دس سال کے اندر اندر فلسطین میں ایک آزاد اور خودمختار حکومت قائم کر دے گی، اس پر عرب مطمئن ہو گئے اور ۱۹۴۳ء تک کوئی قابل ذکر واقعہ سامنے نہیں آیا اور دونوں پرامن رہے۔

اسی دوران دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی جس میں یہودیوں نے حکومت

برطانیہ کو اپنی حمایت اور تعاون کا یقین دلایا۔ ادھر دوسری طرف جرمنی سے یہودیوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے پھر فلسطین منتقل ہونا شروع کر دیا جس پر انگریز ان کی راہ میں مزاحم ہوئے اور انہیں اس سے منع کیا، اس پر یہودی بگڑ گئے اور حکومت برطانیہ کی مخالفت شروع کر دی اور فلسطین میں ایک مرتبہ پھر حالات کشیدہ ہو گئے اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھی۔

اس مرتبہ خاص بات یہ ہوئی کہ یہودیوں نے اپنی معتدبہ تعداد فلسطین میں پا کر اپنے آپ کو مضبوط اور طاقتور محسوس کرتے ہوئے دہشت گردی کی کاروائیاں شروع کر دیں، یہی نہیں بلکہ خفیہ طور پر اپنی فوج بھی بنانا شروع کر دی اور ۱۹۴۴ء میں بڑے پیانے پر فلسطین میں توڑ پھوڑ کی۔

ان حالات کا جائزہ لینے کے بعد ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء میں امریکی صدر ''ٹرومین'' نے برطانوی وزیر اعظم سے سفارش کی کہ جنگ سے متاثرہ علاقے کے ایک لاکھ یہودیوں کو فلسطین میں داخلے کی اجازت دیدی جائے، اس سے فلسطینی عربوں میں مزید بے چینی کی لہر دوڑ گئی، مجبور ہو کر مسئلہ فلسطین انجمن اقوام متحدہ کے سامنے پیش کیا گیا۔

اقوام متحدہ کے بعض ممبر ممالک نے یہودی سلطنت کے قیام کی تجویز پیش کی اور بعض دوسرے ممالک نے اس کی کھلم کھلا مخالفت کی، کافی بحث وتمحیص کے بعد ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو مسئلہ فلسطین کا بل جنرل اسمبلی میں پیش ہوا جہاں ''تقسیم فلسطین'' کی تجویز اتفاق رائے سے منظور ہو گئی۔

ظاہر ہے کہ عربوں کو یہ فیصلہ کیسے منظور ہو سکتا تھا؟ اس لئے اس دوران عربوں اور یہودیوں کا اس علاقے میں بہت زیادہ خون بہا لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ ادھر ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء رات بارہ بجے برطانوی حکومت نے فلسطین سے اپنا تسلط ختم کرنے کا اعلان کر دیا اور ڈیوڈ بن گوریان نے اسرائیل کے قیام کا اعلان نشر کر دیا۔ یاد رہے کہ اسرائیل کا سب سے پہلا وزیر اعظم بھی یہی تھا اور اسے سب سے پہلے امریکہ نے تسلیم کیا۔

اسرائیلی حکومت کے قیام کا اعلان کوئی ایسی خبر نہ تھی جس پر عرب خاموش رہ جاتے اس لئے جونہی یہ اعلان ہوا، شام، لبنان، اردن، عراق، مصر اور سعودی عرب نے

اسرائیل پر حملہ کر دیا اور ۱۹۴۹ء تک یہ جنگ جاری رہی لیکن اس جنگ میں اسرائیل کا پلہ بھاری رہا اور فلسطین کے تین چوتھائی حصے پر اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔

جنگ میں کامیابی نے یہودیوں کے حوصلے اور بڑھا دیئے اور ۱۹۵۶ء میں اسرائیل نے برطانیہ اور فرانس کی شہ پا کر مصر پر حملہ کر دیا۔ ۱۹۶۷ء میں بھی حالات خراب ہوئے، اسی طرح ۱۹۷۳ء میں بھی عرب اسرائیل چوتھی مرتبہ جنگ آزما ہوئے اور آج تک اس علاقے میں خانہ جنگی ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی غیبی حفاظت فرمائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد

اسرائیلی حکومت کا تاریخی پس منظر ملاحظہ فرمانے کے بعد آیئے! ہم وہیں لوٹ چلیں جہاں سے ہم نے رخت سفر باندھا تھا۔ آمد و بعثت موسوی سے پہلے کے حالات آپ پڑھ چکے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن، جوانی اور پیغمبری کے حالات بہت تفصیل کے ساتھ قرآن کریم میں بیان کر دیئے گئے ہیں، یہاں اختصار کے ساتھ اسے بیان کیا جاتا ہے تا کہ تسلسل قائم رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام ''یوکابد'' تھا، آپ کی پیدائش سے قبل فرعون جس کا نام رامیسس تھا، کا خواب دیکھنا، پھر بچوں کے قتل کا حکم دینا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزاتی طور پر بچ جانا اور فرعون ہی کے شاہی محل میں حضرت آسیہؓ کے زیر سایہ پرورش پانا، جوان ہو کر قبطی کے قتل کا واقعہ پیش آنا اور مصر سے ترک وطن کر کے سوئے مدین روانہ ہونا، وہاں حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات ہونا، دس سال تک انکی خدمت کرنا، ان کی بیٹی سے نکاح کرنا، راستہ میں نبوت ملنا، معجزات عطا ہونا، فرعون کے دربار میں نعرہ توحید بلند کرنا، فرعون کا مقابلہ بازی پر اتر آنا، جادوگروں کا ایمان قبول کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر سے بنی اسرائیل کو لیکر روانہ ہونا، فرعون کا تعاقب کرنا اور لشکر سمیت دریا میں غرق ہونا، وہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وادی سینا میں جانا، گرمی کی شدت سے استسقاء رحمت کرنا، پتھر سے بارہ چشمے جاری ہونا، بادلوں کا سایہ فگن

ہونا، من وسلویٰ کا نازل ہونا، بنی اسرائیل کا سبزیوں کا مطالبہ کرنا اور بچھڑے کی پوجا کرنا وغیرذلک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے وہ تفصیلی واقعات ہیں جو اتنی صحت اور استناد کے ساتھ شاید تورات بھی پیش کرنے سے عاجز ہو۔

﴿یہودیوں کی کتب مقدسہ﴾

تاریخی واقعات سے کچھ واقفیت حاصل کرنے کے بعد ''کتب مقدسہ'' کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے اس کے بعد اس میں تحریف وتبدیلی پر روشنی ڈالی جائیگی، چنانچہ دور حاضر میں یہودیوں کی سب سے زیادہ مقدس کتاب ''عہد نامہ عتیق'' اولڈ ٹیسٹ ٹامنٹ کہلاتی ہے اور اسے بنی اسرائیل کی ایک تاریخی کتاب کی حیثیت دی جاتی ہے۔ یہ کتاب انتالیس ۳۹ حصوں پر مشتمل ہے۔ آسانی کی غرض سے ان حصوں کو تین ۳ سلسلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

سلسلہ نمبر ا

درحقیقت یہ پہلا سلسلہ ہی ''تورات'' ہے اور اس میں پانچ کتابیں شامل ہیں جنہیں ''کتب خمسہ موسوی'' کہا جاتا ہے۔

(۱) کتاب پیدائش

اس میں تخلیق کائنات اور تخلیق آدمؑ سے لیکر حضرت یوسفؑ تک کے حالات مذکور ہیں۔

(۲) کتاب خروج

اس میں حضرت موسیٰؑ سے متعلق واقعات بالتفصیل مذکور ہیں۔

(۳) کتاب احبار

اس کتاب میں قربانی کی شرائط، حلال وحرام اور مذہبی احکامات بیان کئے گئے ہیں۔

(۴) کتاب اِعْداد

اس کتاب میں بنی اسرائیل کی مختلف شاخوں کی تقسیم اور ہر قبیلے کے افراد کی تعداد بیان کی گئی ہے۔

(۵) کتاب استثناء

مذہبی قوانین کے اعتبار سے اس کتاب کو انتہائی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

یاد رہے کہ علماء کرام زیادہ تر کتاب پیدائش، خروج اور استثناء اور ان میں سے بھی اول الذکر کا خاص طور پر حوالہ دیا کرتے ہیں باقی دو کتابوں سے صرف نظر کر لیجاتی ہے کیونکہ ان میں کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جس کا حوالہ دیا جا سکے۔

سلسلہ نمبر۲

یہود کی کتب مقدسہ کے دوسرے سلسلے کا نام ''نبیم'' ہے جس میں مجموعی طور پر بائیس کتابیں شامل ہیں۔ مثلاً کتاب یوشع، کتاب یسقیاہ، کتاب حوئیل وغیرہ لیکن ان ۲۲ میں سے عام طور پر حوالہ انہیں تین کا دیا جاتا ہے۔

سلسلہ نمبر۳

کتب مقدسہ کے اس تیسرے سلسلے کو ''کتیسم'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس میں مجموعی طور پر بارہ کتابیں ہیں مثلاً زبور، امثال سلیمان، ایوب، دعوت نوح، عذرا، دانیال وغیرہ۔

یاد رہے کہ تورات اور زبور دو الگ الگ کتابیں ہیں جن میں سے اول الذکر کا نزول حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا اور آخر الذکر حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ یہودی ان دونوں کو مانتے ہیں اور انہیں آپس میں خلط ملط نہیں کرتے یہ الگ بات ہے کہ اب زبور کو بھی عہد نامہ عتیق کا حصہ بنا دیا گیا ہے لیکن کتاب ہونے کی حیثیت وہ اب بھی رکھتی ہے۔

تدوین و تالیف

موجودہ ترتیب کے ساتھ کتب مقدسہ کو مرتب کرنے کا زمانہ خود یہود بھی آج

تک متفقہ طور پر طے نہیں کر سکے کیونکہ ۵۹۷ ق م میں جب بخت نصر نے یروشلم پر حملہ کیا تو کامل تین ماہ تک اس کا محاصرہ کئے رکھا اور کامیاب ہونے کے بعد تمام کتابوں کو ضائع کر دیا جس سے یہودی اپنے مذہبی مقدس ورثے سے محروم ہو گئے تاہم ان میں موجود احکامات یہودی راہبوں کے ذہنوں میں موجود اور محفوظ تھے۔

تاریخی اعتبار سے بخت نصر کے حملے کے بعد ایک طویل عرصہ تک یہودی قید و بند کے مصائب جھیلتے رہے اور نصف صدی کے بعد اس قابل ہو سکے کہ دوبارہ تورات کو جمع کریں چنانچہ اس کا اہتمام کیا گیا جس میں سب سے اہم کردار حضرت عزیر علیہ السلام کا تھا۔

''جمع تورات'' کے اس مہتم بالشان کام کو ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک یونانی بادشاہ ''انٹرنیس'' نے دوبارہ یروشلم پر حملہ کر دیا اور حضرت عزیر علیہ السلام کی جمع کردہ تمام کتابوں کو جلا دیا۔ یہودیوں نے اس جنگ سے فراغت کے بعد پھر ان کتابوں کو مدون کیا، کچھ عرصہ کے بعد رومی حملہ نے یہودیوں کو ایک مرتبہ پھر ان کے مذہبی ورثے سے محروم کر دیا اور انہیں پھر از سر نو مرتب کرنا پڑا۔

ان کتب مقدسہ کے اس طرح بار بار ضائع ہونے کی وجہ سے یہ اپنی اصل حیثیت کو برقرار نہ رکھ سکیں اور روایت بالمعنی کے طور پر ان کتابوں کو مرتب کیا جاتا رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ اصل الفاظ محفوظ نہ رہ سکے اور اس کا مفہوم ہی باقی رہ گیا جو یہودیوں کو بھی مسلم ہے۔

کتب مقدسہ کی زبان

اس موقع پر یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ کیا یہود کی مقدس کتابیں بھی عربی زبان میں نازل ہوئی تھیں یا ان کا مادہ تحریر کسی اور زبان کے الفاظ تھے؟ تو اس کے جواب میں یہودیوں کا کہنا ہے کہ ہماری مقدس کتابیں اصلاً تو عبرانی زبان میں نازل ہوئی تھیں لیکن بعد میں ان کی زبانیں تبدیلی ہوتی رہیں چنانچہ پہلے انہیں آرامی زبان میں جمع کیا گیا، پھر یونانی بادشاہ کے حملے کے نتیجے میں جب یہودی اسکندریہ میں قید ہوئے تو وہاں

سے رہائی کے بعد یونانی زبان میں یہ کتابیں جمع ہوئیں۔ ایک طویل عرصے کے بعد تورات کو پھر عبرانی کی طرف منتقل کیا گیا اور سب سے آخر میں رومیوں کا غلام بننے کے بعد رومی زبان میں ان کا ترجمہ کیا گیا۔

تالمود یا تلمود

یہ بھی یہودیوں کی ایک مقدس کتاب اور مذہبی صحیفہ ہے جس میں یہودیوں کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کی اولاد کے احوال مذکور ہیں اور یہ واحد کتاب ہے جس میں ''اقوال'' کو راویوں کی مکمل سند کے ساتھ جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، ویسے یہ ایک طویل کتاب ہے جس میں کچھ زیادہ معلومات اکٹھی نہیں کی جا سکیں۔

یہودیوں کی اس مقدس کتاب کو اگر ''متن'' قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا جسے فلسطینی احبار و علماء نے مل کر تحریر کیا تھا اور یہودیوں نے اس ''متن'' کا نام ''مِشنا'' رکھا تھا جو بعد میں ''تالمود'' کے نام سے مشہور ہوا، اس متن کی دو طویل شرحوں کا حوالہ ملتا ہے، نام تو دونوں کا ''جُمارہ'' ہے لیکن ان میں سے ایک شرح ''فلسطین'' میں لکھی گئی ہے اور دوسری ''بابل'' میں۔

﴿تورات وزبور میں تحریف کے اسباب﴾

اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنے اپنے زمانے میں تورات اور زبور اسی طرح واجب العمل تھیں جیسے آج قرآن کریم، تاہم قرآن کریم ہمیں اس بات سے بھی روشناس کراتا ہے کہ اب تورات اور زبور اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہیں اور ان میں تحریف ہو چکی ہے جس کے چند اسباب ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) وہ خونریز جنگیں جو یہودیوں کو لڑنا پڑیں، کتب مقدسہ میں تحریف کا سب سے بڑا سبب اور سب سے اہم وجہ ہیں جس کا انکار متعصب سے متعصب آدمی بھی نہیں کرسکتا خاص طور پر اس وقت جبکہ ان کتابوں کو نذر آتش کرنا یہودی خود بھی تسلیم کرتے ہیں نیز یہ کہ تورات کے نسخے ہر دور میں تواتر کے ساتھ کبھی موجود نہیں

رہے۔

(۲) کتب مقدسہ کی زبانیں تبدیل ہونا بھی اسباب تحریف میں سے ہے بالخصوص جبکہ بعد میں روایت بالمعنیٰ ہی کو کافی سمجھا جانے لگا۔

(۳) ان کتب مقدسہ کا مدون و مرتب اول مجہول اور نامعلوم ہونا بھی اسباب تحریف میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ جب یہی معلوم نہیں کہ اس کتاب کا مرتب کون ہے؟ تو پھر اس میں موجود مضامین کے متعلق کوئی یقینی بات کہنا کیسے صحیح ہوگا؟ اور یہ بات بھی یہودیوں کو تسلیم ہے۔

(۴) کتب مقدسہ میں تحریف کا ایک واضح ثبوت وہ حالات و واقعات ہیں جو اگرچہ ان میں موجود ہیں لیکن ان کا ظہور نزول تورات و زبور کے کئی سو سال بعد ہوا۔ اس کی مثال دیتے ہوئے پروفیسر لیاقت علی عظیم تحریر فرماتے ہیں۔

> ''جیسے پھر اسرائیل نے کوچ کیا اور اپنا خیمہ ''مجدل عدر'' کے اس پار کھڑا کیا (پیدائش: ۳۵:۲۱) تاریخ بتلاتی ہے کہ ''مجدل عدر'' بیت المقدس کے ایک مینار کا نام ہے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سات سو سال بعد حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کروایا تھا۔''
>
> (مذاہب کا تقابلی مطالعہ ص ۳۵۲)

ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مجدل عدر کے پاس اپنا خیمہ قائم کرنا اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جب وہ مینار موجود بھی ہو حالانکہ اس وقت اس مینار کا نام ونشان تو دور کی بات، تصور تک نہیں تھا اور اس کی تعمیر سینکڑوں سال کے وقفے کے بعد ہوئی۔

(۵) ان اسباب اور وجوہات کے ساتھ ساتھ ایک اہم ترین وجہ یہ بھی ہے کہ ان کتابوں کی حفاظت بندوں کے سپرد کی گئی تھی جس سے عہدہ برآ ہونا ان کیلئے مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی تھا اور ہمارے لئے تو یہی بس ہے کہ قرآن کریم نے انہیں محرف قرار دیا ہے اس لئے ہم پر اسے محرف ماننا ضروری ہے۔

(۶) یہودی تاریخ اس بارے بھی خاموش ہے کہ تورات کے مرتب کے پاس ان معلومات کی صحت کو جانچنے کا کیا معیار تھا؟ پھر وہ معیار صحیح بھی تھا یا نہیں؟

(۷) آجکل کا عبرانی رسم الخط اس دور کا عبرانی رسم الخط نہیں جبکہ نزول تورات ہوا تھا پھر موجودہ تورات کو گو کہ وہ عبرانی ہی میں ہو، کیسے اصل قرار دیا جا سکتا ہے؟

(۸) یہ بات ہمیشہ مسلم رہی ہے کہ یہودیوں کو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد سے نفرت شروع ہی سے ہے، اسی وجہ سے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ''ذبیح اللہ'' ماننے کی بجائے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دینے پر مصر ہیں اور اسی عناد کی وجہ سے انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کے متعلق تورات میں وارد شدہ توصیفی جملوں کو ختم کر کے ان کی جگہ تحقیر آمیز کلمات کو شامل کر دیا ہے جو تحریف کی ایک بدترین مثال ہے اور اس کا سبب بھی وہی ''نفرت'' ہے۔

اس کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کی آمد باسعادت سے متعلق جو پیشین گوئیاں اور آپ کے وجود باجود کی علامات و آیات تورات میں موجود تھیں، انہیں بھی چن چن کر نکال دیا گیا کیونکہ آپ ﷺ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کی نسل میں سے تھے جن کا نام سن کر ہی یہودیوں کے تن بدن میں آگ لگ جاتی تھی اور وہ اپنی آگ میں آپ ہی جلنے لگتے۔

اس کے علاوہ بے شمار اسباب و محرکات تورات اور دیگر کتب مقدسہ میں تحریف کا سبب بنے اور وہ اپنی اصلیت کھو بیٹھیں۔

یہودیوں کے تہوار و رسومات

یہودیوں کے یہاں مختلف قسم کے تہوار پائے جاتے ہیں اور وہ انہیں بہت اہتمام سے مناتے ہیں، اس کا مختصر سا تذکرہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

یوم السبت

یہ ایک ہفتہ وار تہوار ہے جو ہفتہ کے دن ایک جشن کے طور پر منایا جاتا ہے، اس تہوار میں ہر یہودی کی شرکت ضروری ہوتی ہے، اسی لئے ہفتے کے دن یہودی اپنا کاروبار

مکمل طور پر بند رکھتے ہیں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دی جاتی ہے۔

عید فصیح

یہودیوں کیلئے ملک مصر سے آزادی اور اور گلو خلاصی ایک بہت بڑی نعمت تھی جس کی یاد میں آج بھی یہودی ''عید فصیح'' کے نام سے ایک تہوار مناتے ہیں اور اس میں کھانے کی ایسی چیزیں تیار کی جاتی ہیں جن سے سفر کی یاد ذہن میں تازہ ہو جائے کیونکہ بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی نہایت عجلت کی حالت میں ہوئی تھی اس لئے وہ کھانے پینے کی چیزیں بھی اپنے ساتھ صحیح طریقے سے نہ رکھ سکے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اس دن قربانی کے جانوروں کو صحیح سالم بھون لیا جاتا ہے، انکی ہڈیوں کو توڑا یا کاٹا نہیں جاتا۔ یاد رہے کہ یہ تہوار آٹھ دن تک مسلسل منایا جاتا ہے۔

یوم الخمیس یا یوم الخمسین

عید فصیح سے پچاس دن گزرنے کے بعد یہ تہوار منایا جاتا ہے اور اس میں ادا کی جانے والی رسم کی نوعیت دوسری رسوم سے مختلف اور جداگانہ ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اس تہوار کے موقع پر یہودی راہب گندم کی دو خمیری روٹیاں پکواتے ہیں، پھر سات بھیڑیں یا ایک بیل یا دو دنبے ذبح کرتے ہیں جس سے یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کی دعوت کی جاتی ہے۔

یوم ختنہ

کسی یہودی کے گھر میں بچہ کی پیدائش ہو تو وہ لوگ آٹھ دن کے بعد اس بچے کے ختنے کروا کر یوم ختنہ مناتے ہیں اور اس دن کو اس بچے کے بارے اللہ سے عہد کا دن قرار دیتے ہیں، یاد رہے کہ یہودی بچے اور بچیوں دونوں کا ختنہ کرواتے ہیں لیکن بچیوں کے ختنے کا یہ رواج صرف موجودہ یہودیوں میں ہے، قدیم یہودی اس سے لاتعلق تھے۔

یوم پُوریم

اس سے مراد وہ تہوار ہے جو یہودی گیارہ فروری کو ''ہامان'' کے ہاتھوں سے بچ

نکلنے کی خوشی میں مناتے ہیں۔

یوم چولوکاہ

اس سے مراد وہ تہوار ہے جو یہودی اپنی اس فتح کی یاد میں مناتے ہیں جس میں ان کے ایک کمانڈر نے شامی افواج پر فتح حاصل کی تھی۔

یوم ہاتزموت

قدیم یہودیوں میں اس تہوار کا کوئی تصور موجود نہیں تھا، یہ ایک جدید تہوار ہے جو فلسطین میں اسرائیلی حکومت کے قیام کی یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے اور اس میں ہر ایک شریک ہوتا ہے۔

رسم قربانی

یہود کی عادت تھی کہ وہ روزانہ صبح وشام قربانی دینا اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے جس کیلئے چوپاؤں میں سے بھیڑ اور بکری کی قربانی، پرندوں میں سے فاختہ اور کبوتر کی قربانی کو ترجیح دی جاتی تھی۔ اور قربانی کیلئے منتخب کیا جانے والا جانور یا پرندہ صحیح سالم اُس آگ میں ڈال دیا جاتا تھا جو یہودیوں کے عبادت خانے میں ہر وقت جلتی رہتی تھی۔

اگر کسی شخص سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو اس کی تلافی بھی ''قربانی'' کے ذریعہ ہی کی جاتی تھی، اسی طرح فصل کی کٹائی اور اس کی تکمیل کے موقع پر بھی قربانی پیش کی جاتی تھی۔

مختلف مواقع پر ہونے والی قربانی کے علاوہ اس کا ایک عمومی موقع بھی متعین تھا جس کیلئے یہودیوں کے یہاں سات کا عدد انتہائی اہمیت کا حامل تھا چنانچہ ہفتے کا ساتواں دن وہ انتہائی مقدس سمجھتے تھے۔ اسی طرح ساتواں مہینہ اپنے ابتدائی ایام میں ''قربانی'' کیلئے مخصوص ہونے کی وجہ سے بہت اہم تھا، ہر ساتویں سال کو بھی خوب اہمیت دی جاتی تھی اور اسی کی مناسبت سے کاشت کاری تک نہیں ہوتی تھی حتیٰ کہ مقروضوں کو قرضے بھی معاف کر دیئے جاتے تھے۔

اسی طرح ہر انچا سواں سال بھی یہودیوں کیلئے بہت اہمیت کا موقع ہوتا ہے۔ اس دن وہ باقاعدہ جوبلی مناتے ہیں اور اسے اپنے لئے ''یوم کفارہ'' سمجھتے ہیں۔

رسم عقیقہ

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ عقیقہ کا معنی وہ مخصوص جانور ہوتا ہے جو بچے کی پیدائش کے ساتویں دن ذبح کیا جائے لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ عربی میں عقیقہ کا معنی ''نوزائیدہ بچے کے بال'' آتا ہے تاہم مجازی طور پر مذکورہ معنی مراد لینا بھی صحیح ہے۔

عقیقہ کا ثبوت یہودی مذہب سے بھی ملتا ہے اور مدینہ منورہ میں یہودیوں کا عقیقہ کرنا بھی مذکور ہے لیکن ان کے عقیقہ اور ہمارے عقیقہ میں ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں لڑکے کی پیدائش پر دو اور لڑکی کی پیدائش پر ایک جانور ذبح کیا جاتا ہے جبکہ یہودیوں کے یہاں لڑکے کی پیدائش پر ایک جانور اور لڑکی کی پیدائش پر کچھ بھی ذبح نہ کرنے کا معمول تھا، نیز یہودیوں کے یہاں عقیقہ میں ذبح کیے ہوئے جانور کا خون بچے کے سر پر لگایا جاتا ہے جبکہ اسلام میں اس قسم کی لغو حرکت کا کوئی تصور نہیں ہاں! البتہ نوزائیدہ بچے کے سر پر ''زعفران'' لگانے کا حکم اور تذکرہ ضرور ملتا ہے لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اس حکم سے ناواقف ہے۔

یہودیوں کا سب سے اہم تہوار

اب تک یہودیوں کے جتنے تہوار اور رسمیں مذکور ہوئیں، ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلم، لیکن ایک تہوار ایسا ہے جسے تمام تہواروں میں ایک خصوصی مقام اور تقدس حاصل ہے اور وہ ہے ''یوم کفارہ''۔

یہودی اپنے سال نو کے آغاز میں ایک دس روزہ تہوار مناتے ہیں جس کے اختتام پر اپنے گناہوں کی معافی، سال نو کیلئے خصوصی دعائیں اور صدقہ و خیرات کا عمومی اہتمام کیا جاتا ہے، یوم کفارہ کے موقع پر کھانے پینے کی چیزوں کی طرف توجہ کی بجائے روایتی اعمال کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ اسے یہودیوں کے یہاں ''یوم کفارہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

﴿دین موسوی میں عبادت کے مختلف طریقے﴾

دین موسوی چونکہ مبنی بروحی تھا اس لئے اس میں عبادت کے جتنے بھی طریقے مروج تھے، سب میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ ہی عرصہ بعد یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی بجائے ''یہوداہ'' کو مخاطب کر کے اس سے دعائیں مانگنا شروع کر دیں اور پھر اپنے سابقہ طریقے کی طرف لوٹ گئے۔

یہوداہ سے مانگی جانے والی ان دعاؤں کو منظوم شکل دی گئی اور پڑھنے والوں کو ہدایت کی گئی کہ ان منظوم دعاؤں کو پڑھتے ہوئے اپنے اوپر ایسی کیفیت طاری کریں جس سے سننے والا جذباتی انداز میں متاثر ہو سکے۔

ان منظوم دعاؤں میں ''یہوداہ'' کی تعریف و توصیف کی گئی ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی گئی ہے، ایک زمانے تک یہودی یہ دعائیں اجتماعی طور پر پڑھتے رہے ہیں لیکن جب مختلف اوقات میں ان پر حملے ہونا شروع ہوئے تو یہ مختلف ممالک میں پھیل گئے اور انفرادی طور پر دعاؤں کی صورت میں یہ عبادت کرتے رہے اور یروشلم سے دور ہونے کا حل یہ نکالا کہ اپنے گھروں کی کھڑکیاں یروشلم کے رخ پر بنالیں اور یہ عادت بنالی کہ جب عبادت کا وقت آتا تو ان کھڑکیوں کو کھول کر یروشلم کی طرف منہ کر کے دعائیں مانگا کرتے تھے۔

یہودی ٹوپی

یہودیوں کی ٹوپی چھوٹی سی اور جالی دار ہوتی ہے، کوئی بہت بڑی ٹوپی وہ نہیں پہنتے اور جہاں بال گھومتے ہیں صرف اتنے حصے پر اسے پہنتے ہیں، ان کے جھنڈے پر جتنے کونوں والا ستارہ بنا ہوتا ہے، بالکل ویسا ہی ستارہ ان کی ٹوپی پر بھی بنا ہوتا ہے جو کہ اس کی شناختی علامت ہے۔

﴿دین موسوی کی تعلیمات﴾

یہودیوں کی وہ تعلیمات جنہیں وہ ''دین موسوی'' کی حیثیت سے جانتے اور پہچانتے ہیں ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کی اسلام بھی تصدیق کرتا ہے اور بعض اسلام سے صریح مناقض ہیں، ذیل میں ان کا ایک مختصر سا خاکہ ذکر کیا جارہا ہے۔

خدااوراس کی صفات

یہ بات گزر چکی ہے کہ یہودیوں کے یہاں اپنے خدا کا نام لینا ممنوع ہے یہ الگ بات ہے کہ اس خدا سے مراد ''یہوداہ'' ہے، تاہم زبور کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند آسمان پر دیکھتا ہے، وہ سارے بنی آدمی پر نگاہ رکھے ہوئے ہے اور اس کا تخت آسمان پر موجود ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تورات کی تعلیمات کے علی الرغم یہودیوں میں ثنویت کا عقیدہ اپنی جڑیں اتنی مضبوط کر چکا تھا کہ قرآن کریم کو بھی کہنا پڑا۔

﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ﴾ (التوبة: ۳۰)

''ابن اللہ'' کا یہ عقیدہ درحقیقت عقیدہ توحید کے خلاف ایک کھلی بغاوت اور اس پر ضرب کاری ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری طرف غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی کسی ''قومی خدا'' کو اپنا معبود بنائے بیٹھے ہیں، کیونکہ موجودہ عہد نامہ قدیم میں جگہ جگہ خدا کی نسبت اسرائیل کی طرف کرکے اسے بے جا طور پر مقید کیا گیا ہے۔

تصور ملائکہ

یہودیوں میں ملائکہ کے متعلق جو تصورات اور اعتقادات پائے جاتے ہیں انہیں دو حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) فرشتے انسانوں سے افضل ہیں۔

(۲) فرشتے خدا کے مقدس بیٹے ہیں۔

چنانچہ زبور میں فرشتوں کو ''لشکر خداوندی'' اور کتاب پیدائش میں ''مشیران خدا'' قرار دیا گیا ہے جبکہ کتاب اعداد زبور اور سموئیل دوم میں فرشتوں کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فرشتے خدا کی مرضی سے چلتے ہیں، اسی کے حکم کو نافذ کرتے ہیں اور خدا کی مرضی انسان پر ظاہر کرتے ہیں۔

کتاب پیدائش ہی کے مطالعے سے فرشتوں کا ایک اور رخ بھی واضح ہوتا ہے جس کے مطابق فرشتوں کی ایک جماعت گناہگار ہوگئی تھی جس کی وجہ سے وہ انسانوں سے بھی ادنیٰ ہو گئے، اسی تناظر میں یہودی بعض فرشتوں کے متعلق نازیبا الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنا دشمن قرار دیتے ہیں۔

نظریہ تخلیق کائنات

تخلیق کائنات سے متعلق یہودیوں کا نظریہ قرآن کریم سے نہیں ٹکراتا چنانچہ کتاب پیدائش باب نمبر ا میں یہ تحریر موجود ہے کہ ''خدا نے کہا تمام پانی آسمان کے نیچے جمع ہو جائے اور خشکی نظر آئے چنانچہ ایسا ہی ہوا''۔

اسی طرح کتاب خروج آیت نمبر ۱۷ تا ۲۰ کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند نے چھ دن میں آسمان وزمین اور دریا (وغیرہ) سب کچھ بنا دیا لیکن اس کا اگلا جملہ اسلامی تعلیمات و اعتقادات کے یکسر منافی ہے اور وہ یہ ہے کہ پھر ساتویں دن خداوند کریم نے آرام کیا، تازہ دم ہونے کے بعد وہ پھر تخلیق کائنات کے عمل میں مصروف ہو گیا۔ یاد رہے کہ یہ ساتواں دن ہفتہ کا دن تھا اسی لئے یہودی ہفتہ کے دن کوئی کام نہیں کرتے۔

نظریہ عصمت انبیاء

عہد نامہ عتیق کے سرسری مطالعے سے انسان ایک لمحے کیلئے تو یہ سمجھتا ہے کہ اس میں عصمت انبیاء پر کوئی حرف گیری نہیں کی گئی اور نہ ہی کوئی ناشائستہ زبان زیر استعمال رکھی گئی ہے۔ لیکن جب اس کا تفصیلی اور عمیق مطالعہ کیا جاتا ہے تو انبیاء کرامؑ اپنے وصف نبوت و عصمت سے تو درکنار العیاذ باللہ درجہ انسانیت سے بھی پست نظر آتے ہیں اور محسوس ایسا ہوتا ہے کہ یہ کتاب ''وحی الٰہی'' کی ترجمان نہیں، کسی متعصب اور انتہائی زبان دراز

انسان کا سیاہ نامہ اعمال ہے جو اس نے اپنی بدبختی پر مہر تصدیق ثبت کرنے کیلئے رخ قرطاس پر توپ دیا ہے۔

اس دعویٰ کے دلائل تو بے شمار ہیں لیکن انہیں صفحہ قرطاس پر صرف منتقل کرنا اتنا ہولناک اور خطرناک احساس ہے جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تاہم لرزتے قلم کے ساتھ چند باتیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

عہد نامہ عتیق میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کی کشتی کا منظر دکھایا گیا ہے اور یہ راگ الاپا گیا ہے کہ ''ایک مرتبہ خدا نے رات بھر حضرت یعقوب علیہ السلام سے کشتی لڑی اور دونوں میں پیچ برابر رہا''، اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کا نشہ آور مشروب پینا اور اس کی وجہ سے برہنہ ہو جانا، حضرت داؤد علیہ السلام کا اوریا کی بیوی سے عشق کے داؤ پیچ لڑانا، حضرت سلیمان علیہ السلام کا عورتوں سے اپنا حرم سرا بھر لینا وغیرہ افسانے وہ بیہودہ اور ناپاک الزامات ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے تراشے گئے۔

اس کے علاوہ کفر و شرک، جھوٹ، چوری، دھوکے بازی، شہوت پرستی اور بت پرستی وغیرہ جیسے گھناؤنے افعال کو اس قدسی صفات جماعت کی طرف منسوب کیا گیا اور خوب دل کھول کر اپنی بھڑاس نکالی گئی، اس سلسلے میں حضرت لوط علیہ السلام پر ایک نہایت شرمناک الزام اور ان کی حور صفت عفت مآب بیٹیوں پر تہمت یہ دھری کہ بیٹیوں نے باپ کو شراب پلا کر مدہوش کر دیا اور باری باری اپنے باپ سے ہم بستری کی، حاملہ ہو کر بچے جنم دیئے اور ان سے اپنی نسل کو بقا دی۔ (العیاذ باللہ)

اے کاش! یہ حوالہ نقل نہ کرنا پڑتا لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ ہم آج بھی ''یہود'' کے گن گائے چلے جا رہے ہیں، اپنی تہذیب و تمدن ان سے مستعار لے رکھی ہے، زندگی گزارنے کے طریقے انہیں سے حاصل کرتے ہیں اور ان چیزوں کو نظر انداز کرتے چلے جاتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ اسلام رواداری کا مذہب ہے لیکن رواداری کا مطلب ''بے غیرتی'' کب سے ہو گیا؟ یاد رکھیں! اپنے قومی اور مذہبی ورثے کی حفاظت اور اپنے مقدس افراد کی عزت و احترام ہر مسلمان کے ایمان کا ایک جزو غیر منفک ہے اور وہ اس معاملے میں کسی سے سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔

عقیدۂ آخرت

زمانہ قدیم میں یہودی قیامت اور جزا و سزا کے قائل تھے، جنت اور جہنم کا اعتقاد بھی ان میں موجود تھا، خود قرآن کریم میں یہود کے ان نظریات کو بیان کیا گیا ہے لیکن دور حاضر میں یہودی عقیدہ آخرت کو بالکل بھلا چکے ہیں اور ان کا موجودہ نقطہ نظر اسلامی نقطہ نگاہ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور چونکہ اس وقت میڈیا پر دو طاقتوں (یہود اور ہنود) کا قبضہ ہے اور یہ دونوں ہی عقیدہ آخرت سے دستبردار ہیں اس لئے ہمارے عقائد پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے وہ ہمارے ذہنوں میں جو کچھ بھرنا چاہیں انہیں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔

حقوق العباد اور یہودیت

''احکام عشرہ'' یہودیوں کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے، ان دس احکامات میں ''حقوق العباد'' کی ادائیگی بہت زیادہ اہم قرار دی گئی ہے، تاہم اس میں بھی بعض باتیں اسلام کے اصولوں سے متصادم ہیں۔

چنانچہ تورات کی عبرانی زبان میں ''بیوی'' کو ''بصولہ'' کا نام دیا گیا ہے جس کا معنی ''جائیداد منقولہ'' ہے، اس اعتبار سے شوہر اپنی بیوی کا مالک ہے اور شوہر کے انتقال کے بعد اس کی دوسری جائیداد کی طرح وراثت میں اس کی بیوی کو بھی تقسیم کردیا جائیگا۔

دین موسوی میں نکاح کے بعد عورتوں کو حق مہر دینے کا حکم ملتا ہے نیز عہد نامہ عتیق کے مطابق ایک سے زائد بیویاں اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے، اسی طرح کتاب استثناء میں طلاق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر عورت مرد کی نظر میں عزیز نہ رہے یا اس سے کوئی ناپاک بات ظاہر ہو تو وہ ''طلاق نامہ'' لکھ کر اس کے ہاتھ میں دیدے اور اسے اپنے گھر سے باہر کردے۔

اسی طرح ذیل کی عبارت بھی کتاب استثناء کی ہے۔

''اگر کوئی آدمی کسی کنواری لڑکی کو پالے، پھر اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرے (زنا کا مرتکب ہو) اس کے بعد وہ دونوں

پکڑے جائیں تو لڑکا اس لڑکی کے باپ کو پچاس مثقال چاندی فی
گھنٹہ کے اعتبار سے ادا کرے اور آئندہ یہ لڑکی اس کی بیوی شمار
ہوگی جسے وہ زندگی بھر طلاق نہ دے۔''

جہاں تک یہودی مذہب میں عورت کی وراثت کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں یہ بات واضح ہے کہ عورت وراثت کی حق دار نہیں بلکہ الٹا عورت کی کمائی تقسیم ہوگی، شادی سے پہلے عورت کی کمائی اس کے ماں باپ کی ہوتی ہے اور شادی کے بعد اس کے شوہر کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔

دیگر احکامات میں سے ''شراب نوشی'' یہودیت میں قطعی طور پر حرام ہے، اسی طرح ''سود'' بھی مکمل حرام ہے اور کتاب احبار کے مطابق خنزیر کا گوشت بھی یہودیوں کے نزدیک حرام ہے۔ نیز کتاب احبار، استثناء اور سموئیل میں یہودیوں کو طہارت اور پاکیزگی کی بہت تاکید کی گئی ہے چنانچہ آج بھی یہودی اپنے آپ کو بہت پاکباز سمجھتے ہیں گو کہ حقائق کی دنیا سے اس کا دور دور تک کوئی تعلق نہ ہو۔

یہودیوں کے مختلف فرقے اور ان کے نظریات

ویسے تو یہودی مذہب میں فرقوں کی بہتات اور نظریات کی بھرمار ہے تاہم یہاں چند اہم اور بڑے بڑے فرقوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سمارٹنی فرقہ

یہودیوں کے اس فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنے آپ کو عوام کے ساتھ خلط ملط نہیں کرتے، بلکہ الگ تھلگ رہنا پسند کرتے ہیں جیسے فقیر اور اچھوت قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

ایسینی فرقہ

اس فرقے سے تعلق رکھنے والے یہودیوں کو عام طور پر ''سوشلسٹ یہودی'' بھی کہہ دیا جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ ہر چیز میں دوسروں کی ملکیت اور شراکت کے قائل ہیں،

اسی وجہ سے یہ لوگ تنہائی پسند، گوشہ نشین اور شادی بیاہ سے کوسوں دور رہتے ہیں اور کسی قسم کی جائیداد نہیں بناتے۔

ناسٹک فرقہ

اس فرقے سے تعلق رکھنے والے یہودیوں کے نزدیک ''ایمان'' سبب نجات نہیں بلکہ نجات کا اصل ذریعہ ''علم'' ہے اس لئے یہ لوگ علم کو ایمان پر مقدم رکھتے ہیں۔

کاراتی فرقہ

اس فرقے سے تعلق رکھنے والے یہودیوں کو ''مذہب ظاہری کا فرقہ'' بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ یہ فرقہ کتب مقدسہ میں موجود الفاظ کے ظاہر پر عمل کرنے کی سختی سے پابندی کرتا ہے، باطن سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

فریسی فرقہ

اس فرقے کے لوگ یہودیوں کے یہاں فقہاء، قانون دان، راہب، عبادت گزار اور مفتی کے طور پر پہچانے جاتے ہیں، یہ لوگ حیات بعد الممات، جزاوسزا اور جنت وجہنم کے بھی قائل ہیں۔

صدوقی فرقہ

اس فرقے کے یہودیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ ''اللہ'' صرف ''رب الیھوذ'' ہے، جنت، جہنم اور قیامت کی کوئی حقیقت نہیں اور اجتہاد باطل چیز ہے، یہ لوگ صرف لفظی قوانین کی پیروی کرتے ہیں جس میں ان کے نزدیک کوئی ترمیم اور اضافہ درست نہیں ہے اور یہ کہ انسان کے اچھے اور برے اعمال کا بدلہ اسی دنیا میں مل جاتا ہے۔

کاہنی فرقہ

اس فرقے سے تعلق رکھنے والے یہودی اپنے آپ کو مذہبی اصول کا پابند قرار دیتے تھے اور ہیکل (مخصوص عبادت گاہوں) کو اپنا مرکز بنا کر اس کی خدمت کرتے اور

لوگوں سے نذرانے وصول کرتے تھے، اس فرقے سے تعلق رکھنے والے کاہن مختلف کتابیں لکھ کر انہیں ''وحی الٰہی'' کا درجہ بھی دیتے رہے ہیں۔

یہودیت اور اسلام کا تقابلی جائزہ

یہودیت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کرنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اس مقام پر اسلام کے ساتھ اس یہودیت کا تقابل کرنا ہرگز مقصود نہیں جس کے پیغام بر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء بنی اسرائیل تھے بلکہ یہاں جدید یہودیت کو اسلام کے مقابلے میں لاکر کھڑا کیا جارہا ہے تاکہ ہمارا نوجوان یہودیت کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا چھوڑ دے اور اپنے مسلمان ہونے پر بارگاہ ایزدی میں سجدہ شکر بجالائے۔

نظریہ ثنویت اور توحید

یہودیت اپنی ابتداء میں نہ صرف یہ کہ عقیدہ توحید کی علمبردار تھی بلکہ اس کی مبلغ بھی تھی لیکن حضرت عزیر علیہ السلام کے انتقال کے بعد ''نظریہ ثنویت'' نے ان میں بہت تیزی سے اپنی جڑیں مضبوط کرنا شروع کر دیں اور یہود انہیں ''ابن اللہ'' قرار دینے لگے جو کہ اسلامی تعلیمات کے صاف شفاف آئینے میں انتہائی گہرا اور بدنما داغ ہے اس لئے اسلام نے کہیں بھی اس باطل عقیدے کو پنپنے کا موقع نہیں دیا اور ہمیشہ توحید کی کھری اور صاف ستھری تعلیم دی ہے۔

مذہبی دستور کی حفاظت

یہودی بھی اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ان کی مذہبی اور مقدس کتاب ''تورات'' زمانے کی دستبرد اور تحریف وتغیر سے محفوظ نہیں رہ سکی اور تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عہد نامہ عتیق تضاد بیانیوں اور حک واضافہ کا شکار ہو چکا ہے جبکہ اسلام کا مذہبی دستور اپنے یوم نزول سے لیکر آج تک صحیح وسالم موجود ومحفوظ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک ہی نہیں بلکہ قیامت کے بعد تک قائم ودائم رہے گا۔

ہفتہ، آرام کا دن

تخلیق عالم کے ضمن میں اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے کہ چھ دن میں تخلیق عالم سے فراغت پا کر خداوند تھک گیا تھا اس لئے تازہ دم ہونے کی نیت سے ہفتہ کے دن اس نے آرام کیا جبکہ اسلام نے ہمیں جس خدا سے روشناس کروایا ہے، تھکاوٹ اس کے قریب تو کیا دور سے بھی نہیں گزرتی کیونکہ جو تھک گیا اسے خدا ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام

اسلام میں ''عصمت انبیاء'' کا عقیدہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے لیکن یہودیوں نے اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس عقیدے کی بھی خوب دھجیاں بکھیری ہیں۔

عورت کی وراثت

یہودی مذہب میں عورت کو وراثت ملنا تو دور کی بات، اسے اپنی کمائی کا بھی حقدار نہیں سمجھا گیا جبکہ اسلام نے عورت کو وراثت میں بھی حصہ دار قرار دیا اور اسکی کمائی کی ملکیت بھی اسی کے ہاتھ میں رکھی ہے۔

تہوار اور ان کی رنگینی

یہودیت نے اپنے پیروکاروں کو مختلف النوع تہواروں کے چکر میں الجھا رکھا ہے جبکہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو سالانہ طور پر دو تہوار دیئے ہیں اور انہیں بھی ایک جشن کی حیثیت سے پیش کرنے کی بجائے ایک عظیم الشان عبادت کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

اسی طرح فرشتوں سے متعلق بھی یہودیوں کے عقائد مبہم اور غیر واضح ہیں جبکہ اسلام نے فرشتوں کی تعریف ایک ایسی نورانی مخلوق سے کی ہے جس میں نافرمانی کا مادہ اور جذبہ ہی نہیں رکھا گیا، اطاعت اور فرمانبرداری ان میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔ انہیں خدا کے بیٹے اور بیٹیاں یا مشیر سمجھنا اسلام میں قطعاً ناجائز ہے۔

بابِ نہم

بعثت عیسوی سے قبل مذہبی وسیاسی حالات، مخالفتِ یہود
کے وجوہ واسباب، تعلیمات عیسوی، کتب مقدسہ،
تحریف انجیل کے اسباب، تہوار اور رسومات،
مختلف فرقے، اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب نہم

﴿عیسائیت﴾

مذاہب عالم میں ''عیسائیت'' کو ایک کلیدی اہمیت حاصل ہے اور گو کہ ان کی کتاب انجیل بھی تحریف وتغیر کا شکار ہوئے بغیر نہ رہ سکی لیکن یہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم نے یہودیوں اور عیسائیوں ہی کو ''اہل کتاب'' قرار دیا ہے پھر دنیا میں ایک بہت بڑی جماعت اپنی مذہبی عقیدت کا مرکز عیسائیت کو سمجھتی ہے اس لئے سب سے پہلے بعثت عیسوی سے قبل کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل مذہبی حالات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے سے پہلے مذہبی طور پر ''یہودیت'' کے نام لیوا موجود تھے لیکن ان میں باہم اتفاق واتحاد نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی اور وہ مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے، اس کے علاوہ کچھ اور مذاہب بھی موجود تھے لیکن وہ اختراعی مذاہب تھے، آسمانی مذاہب نہ تھے اور وہ بھی مختلف فرقوں کی صورت میں موجود تھے۔

یہودیوں کے جو اہم فرقے اس وقت موجود تھے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) صدوقی فرقہ (۲) فریسی فرقہ

(۳) کاہنی فرقہ

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل کچھ لوگ مذہب کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے اور انہیں ''احبار'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، یہ لوگ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے میں بڑے ماہر تھے اس لئے یہودیوں نے انہیں خوش ہو کر ''فقہاء یہود'' کے گرانقدر خطاب سے بھی نواز رکھا تھا۔

مذہب کی ٹھیکیداری کے ساتھ ساتھ ''جنت کی ٹھیکیداری'' بھی انہوں نے ہی سنبھال رکھی تھی، جسے چاہتے جنت کا ٹکٹ دیدیتے اور جسے چاہتے پروانہ جنت سے محروم کر

دیتے، لوگوں سے بھاری نذرانے وصول کر کے انہیں شیر مادر سمجھ کر ہضم کر جاتے، لوگ بھی جاہل تھے اس لئے ان کی علمیت پر اعتماد کر کے حلال وحرام اور جائز و ناجائز میں انہی کا فتویٰ مانتے تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل یہودیوں میں مشرکانہ رسوم وعقائد بھی موجود تھے اور غضب تو یہ ہے کہ چوری، جھوٹ، دھوکا، بغض وعناد اور کینہ وحسد کو اخلاقیات کا درجہ دے رکھا تھا، احبار ورہبان دنیاوی اغراض ومقاصد اور اپنے مفادات کی خاطر کتاب اللہ یعنی تورات میں تحریف کے مرتکب ہو رہے تھے غرض یہ کہ ہر طرف بدنظمی، بداخلاقی اور بدعقیدگی کا دور دورہ تھا اور مذہبی طور پر یہودی انتہائی پستی کا شکار ہو چکے تھے۔

آمد عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے سیاسی حالات

سیاسی طور پر بھی اس وقت یہودی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے تھے اور وہ سیاسی بحران سے گزر رہے تھے چنانچہ ۹۳۱ ق م میں یہودی سلطنت ''فلسطین'' میں زوال آگیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل اسکندر نے تمام علاقوں پر قبضہ کرلیا جن میں ایران بھی شامل تھا، اس نے وہاں کے تمام آتش کدوں کو ختم کر دیا، یہودیوں پر زمین کو تنگ کر دیا اور ہیکل سلیمانی کو تباہ کر دیا۔

چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد سیاسی طور پر یہودی بہت اکھاڑ پچھاڑ سے دوچار ہوئے تھے اور پریشانی و زوال ان کا مقدر ہو چکا تھا اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل وہ رو رو کر یہ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں کوئی بادشاہ ایسا پیدا فرمادیں جو یہودیوں کے دشمنوں کو تباہ کر دے اور یہودیوں کو عظمت دے، بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل یہودی ایک نجات دہندہ کے منتظر تھے۔

انجیل کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

انجیل متی کے مطابق یسوع مسیح کی پیدائش کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ جب

ان کی والدہ کی منگنی یوسف نامی شخص کے ساتھ ہوئی، تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ ''روح القدس'' کی قدرت سے حاملہ پائی گئیں، ان کے شوہر نے جو کہ راست باز تھا، انہیں بدنام نہیں کرنا چاہا اس لئے انہیں چپکے سے چھوڑ دیا۔

وہ اس معاملے میں ابھی متفکر ہی تھا اور ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتے نے اسے خواب میں کہا کہ اے یوسف ابن داوٗد! اپنی بیوی مریم کے اپنے یہاں آنے سے خوفزدہ نہ ہو کیونکہ اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے، اس کے یہاں بیٹا پیدا ہوگا، اس کا نام ''یسوع'' رکھنا کیونکہ وہی لوگوں کو اپنے گناہوں سے نجات دلائے گا، یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ خداوند نے نبی کی معرفت جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔

دیکھو! ایک کنواری حاملہ ہوگی، بچہ جنے گی، اس کا نام ''عمانوایل'' رکھنا جس کا ترجمہ ہے ''خدا ہمارے ساتھ ہے۔''

انجیل کے دیگر حصوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے موقع پر پیش آنے والے حالات و واقعات کو بھی درج کیا گیا جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب یسوع، ہیرودیس نامی بادشاہ کے زمانے میں یہودیہ کے بیت اللحم میں پیدا ہوا تو کئی مجوسی، یورپ (اس وقت کے مشرق) سے یہ کہتے ہوئے آئے کہ یہودیوں کا جو بادشاہ پیدا ہوا ہے وہ کہاں ہے؟ ہم اس کا ستارہ دیکھ کر اسے سجدہ کرنے آئے ہیں۔

جب یہ مجوسی بیت اللحم سے روانہ ہوئے تو خدا کے فرشتے نے خواب میں یوسف سے کہا کہ اٹھ! بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر بھاگ جا اور جب تک میں نہ کہوں وہیں رہنا کیونکہ ہیرودیس اسے تلاش کر رہا ہے تا کہ اسے ہلاک کر دے۔

انجیل متی ہی میں ایک دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق لکھا ہے کہ ایک زمانے میں قیصر اوگتس نامی بادشاہ نے یہ حکم جاری کیا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں، پس یوسف بھی گلیل کے شہر ناصرہ سے داوٗد کے شہر بیت اللحم گیا جو کہ یہودیہ ہے تا کہ اپنی منگیتر مریم کے ساتھ جو کہ حاملہ ہیں، نام لکھوائے۔

جب وضع حمل کا وقت آیا تو اس کا پہلا بیٹا پیدا ہوا، جب آٹھ دن گزر گئے اور

ختنے کا وقت آیا تو اس کا نام ''یسوع'' رکھا گیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق ان کے پاک ہونے کے چالیس دن پورے ہو گئے تو وہ اسے یروشلم لے آئے تا کہ اسے خداوند کے آگے حاضر کریں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش قرآن کریم کی روشنی میں

انجیل کے بیانات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اب قرآن کریم کا طرز بیان بھی ملاحظہ فرمائیں اور اپنی عقل خداداد سے خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ کس بیان میں کتنی جان ہے اور کون سا بیان حقیقت کے کتنا قریب ہے؟ چنانچہ قرآن کریم کہتا ہے۔

> اے نبی ﷺ! اس کتاب حکیم میں ''مریم'' کا بھی ذکر کیجئے کہ جب وہ اپنے گھر والوں سے جدا ہو کر مشرق کی طرف چلی گئی اور لوگوں سے پردہ کرلیا تو ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا جو ان کے سامنے آدمی کی صورت میں متشکل ہو کر آیا، اسے دیکھ کر مریم نے کہا کہ اگر تو متقی ہے تو میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتی ہوں۔
>
> فرشتہ بولا کہ میں تو آپ کے رب کا فرستادہ ہوں، تا کہ آپ کو ایک پاکیزہ فرزند عطا کروں، مریم نے کہا کہ مجھے تو کسی بندہ بشر نے آج تک نہیں چھوا، میرے یہاں کیسے لڑکا پیدا ہوگا، اور نہ ہی میں بدکار ہوں، فرشتے نے جواب دیا کہ آپ کے رب نے یہی فرمایا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے، (اس لئے وہ اسی طریقے سے اسے پیدا کریگا) اور ہم اسے لوگوں کیلئے اپنی قدرت کی ایک نشانی اور رحمت کا ذریعہ بنائیں گے اور یہ کام ہو کر رہے گا۔
>
> پھر مریم اس بچے سے حاملہ ہو گئیں اور اسے لیکر دور چلی گئیں، پھر دردزہ انہیں کھجور کے تنے کی طرف لے آیا اور وہ کہنے لگیں اے کاش! میں اس واقعے سے بہت پہلے مر چکی ہوتی اور ایک بھولی بسری داستان بن چکی ہوتی، اسی وقت نیچے سے فرشتے

کی آواز آئی کہ اے مریم! غمگین نہ ہو، اللہ نے تیرے لئے پانی کا ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور کھجور کے اس تنے کو پکڑ کر ہلاؤ، اس سے تم پر تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی، انہیں خوب کھاؤ اور پیو، اور اپنی آنکھیں اس نور نظر سے ٹھنڈی رکھو اور اگر کوئی آدمی دکھائی دے تو اس سے صرف اتنا ہی کہنا کہ میں نے آج کے دن اللہ کیلئے نہ بولنے کی منت مانی ہوئی ہے اس لئے آج میں کسی انسان سے بات نہیں کر سکتی۔

اس کے بعد جب حضرت مریمؑ اس بچے کو اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئیں تو قوم کہنے لگی کہ اے مریم! یہ تو نے کیا کیا؟ اے ہارون کی بہن! تیرا باپ بدکار تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکارہ تھی (تو نے یہ کیا حرکت کی؟) یہ سن کر حضرت مریمؑ نے اپنی گود میں موجود بچے کی طرف اشارہ کیا (کہ اس سے ہی پوچھ لو) وہ کہنے لگے کہ گہوارے میں پڑے ہوئے اس بچے سے ہم کیا پوچھیں؟ اتنے میں وہ بچہ خود ہی بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب بھی دی ہے، اور مجھے نبوت سے بھی سرفراز فرمایا ہے اور میں جہاں بھی ہوں، مجھے بابرکت بنایا ہے اور تازندگی مجھے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور مجھے اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا بنایا ہے، ظالم اور بدبخت نہیں بنایا۔" (سورۂ مریم: آیت نمبر ۱۵ تا ۳۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مختصر حالات

روایات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی پر کوئی خاطر خواہ اور تفصیلی روشنی نہیں ڈالی جاسکتی البتہ اسرائیلی روایات میں اس سے متعلق مفصل مواد موجود ہے لیکن اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرنا کسی صورت صحیح نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ اسرائیلیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابتدائی طور پر تعلیم گھر ہی میں حاصل کی، یوسف (حضرت مریمؑ کے منگیتر) نے انہیں متبرک اصول

سکھائے۔ اس کے علاوہ صبح وشام کی عبادت کے متبرک طریقے انہوں نے اپنی والدہ سے سیکھے، اسی طرح وہ یہودیوں کی ''مجالس سبت'' (ہفتہ وار مجلس) میں اپنی والدہ کے ساتھ بڑی پابندی سے شرکت کرتے تھے۔

مختلف اناجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے واقعات کو بطور معجزہ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اسرائیلی روایات کے مطابق جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو وہ حضرت مریمؑ اور یوسف کے ساتھ یروشلم چلے گئے، وہاں سے واپسی پر اتفاقاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے بچھڑ گئے، حضرت مریمؑ اور ان کا منگیتر انہیں تلاش کرتے ہوئے دوبارہ یروشلم واپس آئے تو انہیں استادوں کے درمیان بیٹھا باتیں سنتا ہوا پایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جوانی کے حالات اسرائیلی روایات بھی مفصل طور پر بیان نہیں کرسکیں۔ البتہ اتنی بات ضرور موجود ہے کہ یوسف کے انتقال کے بعد حضرت مریمؑ کنعان چلی گئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معاشی ضروریات کی تکمیل کیلئے ''بڑھئی'' کا پیشہ اختیار کرلیا، پھر تیس سال کی عمر میں ''یوحنا'' سے آپ کا ''بپتسمہ'' کروایا گیا اور یہی وہ زمانہ تھا جب آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔

اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک ''یہودیہ'' کے ریگستانی علاقوں میں غور وفکر کرتے رہے، ایک مرتبہ جب وہ یہودیوں کی عید فصیح کے موقع پر یروشلم گئے تو بیت المقدس میں یہودیوں کے اعمال اور ان کی حرکتیں دیکھ کر بہت پریشان ہوئے کیونکہ یہودیوں نے بیت المقدس کا صحن مویشیوں سے بھر رکھا تھا جس کی وجہ سے وہاں شور وغوغا ہوتا تھا اور باقاعدہ خرید وفروخت کی جاتی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بات کی کوشش کی کہ کسی طرح کاروباری معاملات بیت المقدس میں طے پانا بند ہوجائیں چنانچہ انہوں نے یہودیوں سے کہا کہ خدا کے گھر کو بازار مت بناؤ، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جرأت سے بھرپور اس پیغام پر یہودی کاہنوں کو غصہ آگیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت شروع کردی۔

اس موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی اور یروشلم سے واپس ہوکر گلیلی جھیل کے کنارے ایک گاؤں میں چلے گئے اور وہاں دعوت وتبلیغ کا کام شروع کردیا، ان لوگوں کو جب آپ کے پیغمبر ہونے کا یقین ہوگیا تو انہوں نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام حق کو قبول کر لیا۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیروکاروں میں سے بارہ افراد کو منتخب کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ آپ کی دعوت کو عام کریں لیکن یہودیوں کو یہ چیزیں ایک آنکھ نہ بھائیں اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دشمنی پر کمر باندھ لی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بغاوت اور کفر کا بھی الزام لگایا گیا تا آنکہ ایک رومی گورنر "فنفس" نے انہیں پھانسی دیئے جانے کا حکم صادر کر دیا۔

ان واقعات کی تصدیق یا تکذیب سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ بات ہمیشہ ملحوظ خاطر رہے کہ یہ اسرائیلی روایات ہیں، احادیث صحیحہ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا تاہم اتنی بات یقینی ہے کہ رومی بادشاہ کے حکم کے مطابق جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں تو انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا اور وہ اب تک آسمانوں پر زندہ اور موجود ہیں، قرب قیامت میں ان کا دوبارہ زمین پر نزول ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نزول کے بعد دجال کو قتل فرمائیں گے، عدل و انصاف سے بھرپور حکومت قائم کریں گے سلسلہ ازدواج سے منسلک ہوں گے اور پھر آخر میں طبعی طور پر انتقال فرما کر مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ مبارکہ اور روضہ طیبہ میں مدفون ہوں گے۔

مخالفت یہود کے اسباب و وجوہات

سطور بالا کے مطالعہ سے اتنی بات تو واضح ہو گئی کہ جو یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل ایک نجات دہندہ کے منتظر تھے وہی ان کی آمد پر ان کے جانی دشمن کی صورت میں سامنے آئے اور جتنی تکالیف پہنچا سکتے تھے اس میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھا، تاہم یہاں ایک عام قاری کے ذہن میں پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے کہ آخر یہودیوں کی اس مخالفت کے اسباب و وجوہات کیا تھے؟ ذیل میں اسی سوال کا جواب دیا جا رہا ہے۔

(۱) تشدد کا الزام

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کی غلط کاریوں کی وجہ سے ان کی پکڑ

دھکڑ کی اور اعمال سیئہ اور بدعات پر نکیر شروع کی تو یہودی ناراض ہو گئے اور انہیں 'تشدد کا مرتکب'' ٹھہرا کر ان کی تعلیمات کو سختی پر محمول کرنے لگے۔

(۲) سبت کی بے حرمتی کا الزام

یہودیوں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ''سبت'' کی بے حرمتی کے مرتکب ہو رہے ہیں اس لئے ان کی مخالفت کرنا ہمارے لئے ضروری ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا تھا ''کہ سبت ابن آدم کیلئے ہے نہ کہ ابن آدم سبت کیلئے'' اس بات پر یہودی ان کے مخالف ہو گئے۔

(۳) یروشلم کی تباہی کا متمنی

یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ بھی الزام تھا کہ وہ ہمارے مقدس شہر یروشلم کی تباہی کیلئے بددعائیں کرتے ہیں اس لئے یہ ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔

(۴) ابن اللہ کہلوانے کا الزام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ گرامی پر یہ بہتان بھی باندھا گیا کہ ''یسوع'' اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہلواتا ہے جس کا غلط ہونا ہمارے نزدیک یقینی بات ہے اس لئے ان کی پیغمبری کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

(۵) مساوات کا اعتراض

یہودی اپنی افتادِ طبع سے مجبور ہو کر غیر یہودی یا نچلے طبقے سے وابستہ کسی بھی فرد سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے اور اس میں اپنی کسر شان سمجھتے تھے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخوت اور مساوات کے علم بردار تھے جو یہودیوں کو پسند نہیں تھا اس لئے وہ ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔

(۶) بغاوت کا الزام

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ اعتراض بھی اٹھایا کہ وہ حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کے تخت کا وارث ہونے کے مدعی ہیں جو در پردہ حکومت کے خلاف

بغاوت اور اس کی سازشیں ہیں۔

یہ اور اس قسم کے دیگر الزامات و بہتانات جن کی حقیقت مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ بودی اور کمزور تھی، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات والا صفات پر دھرنا شروع کر دیئے، عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے یہ الزام کافی سے زیادہ تھے، خاص طور پر ان میں سے آخر الذکر حکومت وقت کیلئے بھی بہت اہمیت کا حامل تھا۔

جب حکومت کو اپنا سنگھاسن ڈولتا ہوا دکھائی دیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملزم کے طور پر کچہری میں طلب کیا گیا جہاں انہیں سزائے موت یعنی پھانسی کا حکم سنا دیا گیا۔ اسرائیلیات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کیلئے ایک سازش تیار کی گئی، انہیں مجرم قرار دیکر گرفتار کرنے کے بعد یہودی اپنے سردار کاہن کے پاس لے گئے اور ان کے خلاف گواہیاں پیش کیں تا آنکہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کرنے کا حکم صادر کر دیا اور ایک وقت مقررہ پر انہیں سولی دیدی گئی۔

اسلامی تعلیمات کا ایک مختصر سا خاکہ اس سلسلے میں پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قدرت خداوندی کے تحت دوسرے آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے، قرب قیامت میں ان کا نزول ہوگا وغیرہ، مزید تفصیلات کیلئے مطولات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات

توحید

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں شرک کا کہیں شائبہ بھی نہیں پایا جاتا بلکہ انہوں نے اپنی پیدائش کے فوراً بعد شرک اور کفر کی جڑیں کاٹنا شروع کر دیں اور ہمیشہ شرک سے روکتے رہے، ایک خدا کو سجدہ کرنے اور اسی ایک خدا کی عبادت کرنے کا حکم دنیا کے سامنے پیش فرماتے رہے۔

صفات باری تعالیٰ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں صفات باری تعالیٰ پر ایک قابل قدر مواد موجود ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں ''وہ قادر مطلق ہے، وہی عزت کے لائق ہے، اس

کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور وہی انسانوں سے قیامت کے دن حساب لے گا۔''

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توبہ واستغفار کی تلقین کرتے ہوئے یہ تعلیم بھی دی کہ نجات کا دارومدار اعمال پر ہے (انساب پر نہیں) اور یہ گناہ ہی ہیں جو انسان کو جہنم میں لے جانے کا سبب بنتے ہیں، نیز اخلاقی، معاشرتی، غیر محرم عورتوں، والدین، صدقہ خیرات، تصدیق تورات اور اپنی رسالت وغیرہ امور کی تعلیم بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ثابت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئیوں میں ایک پیشین گوئی نہایت اہم اور قابل توجہ ہے خاص طور پر عیسائیوں کیلئے وہ بہت توجہ طلب ہے اور وہ وہ ہے کہ جس میں ''فارقلیط'' کا نام لیکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کی خوشخبری سنائی گئی ہے اور ان پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ''فارقلیط'' کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

یاد رہے کہ ''فارقلیط'' کا عربی میں متبادل لفظ ''احمد'' ہے یعنی تعریف کرنے والا یا تعریف کیا ہوا، اور تاریخ گواہ ہے کہ رفع عیسیٰ سے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یوم پیدائش تک کسی بچے کا نام ''احمد'' رکھا جانا ثابت نہیں لیکن عیسائیت کے نزدیک یہ بات ناقابل فہم و ناقابل تسلیم ہے۔

﴿عیسائیوں کی مقدس کتابیں﴾

عیسائیوں کی مقدس کتابیں جو الہامی خیال کی جاتی ہیں آج کل انہیں ''عہد نامہ جدید'' کہا جاتا ہے جو کہ درحقیقت بائبل کا دوسرا حصہ ہے اور اس میں ستائیس کتابیں شامل ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔انجیل متی	۲۔انجیل مرقس
۳۔انجیل لوقا	۴۔انجیل یوحنا
۵۔رسولوں کے اعمال	۶۔رومیوں کے نام خط
۷۔کرنتھیوں کے نام دو خط	۹۔گلیلیوں کے نام خط

۱۰۔انسیوں کے نام خط

۱۱۔فلپیوں کے نام خط

۱۲۔کلسیوں کے نام خط

۱۳۔۱۴۔تھلسنیکیوں کے نام دو خط

۱۵۔۱۶ تیتھیسکے نام دو خط

۱۷۔طِطس کے نام خط

۱۸۔فلیمون کے نام خط

۱۹۔عبرانیوں کے نام خط

۲۰۔ یعقوب کے نام خط

۲۱۔۲۲۔پطرس کے دو خط

۲۳ تا ۲۵۔یوحنا کے تین خط

۲۶۔یہوداہ کا خط

۲۷۔یوحنا کا مکاشفہ

آسانی کی خاطر پہلی چار کتابوں کو ''اناجیل اربعہ'' کہا جاتا ہے اور آخری کتابوں کو ''کتاب اعمال'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کا مصنف پولس کا شاگرد لوقا ہے اسی لئے اس میں حوارئین اور پولس کے کارنامے بھی درج ہیں۔ اس مجموعے کو پانچویں صدی عیسوی کے بالکل آخر میں اس وقت کے پوپ نے مستند قرار دیا تھا ورنہ قبل ازیں اس کی استنادی حیثیت کچھ بھی نہ تھی، اس کے علاوہ عیسائیوں کی چھوٹی بڑی مقدس کتابیں تقریباً ڈیڑھ ہزار ہیں جنہیں مذہبی تقدس حاصل ہے۔

اناجیل اربعہ اور انجیل برناباس

عیسائی مذہب میں مذکورہ چاروں اناجیل انتہائی اہمیت کی حامل ہیں اور انہی پر عیسائی مذہب میں تقدس کی چادر پڑی ہوئی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی وہ مقدس آسمانی کتاب جسے ''انجیل'' کہا جاتا ہے ان میں سے کوئی بھی نہیں اور خود عیسائی مصنفین کو اس بات کا اعتراف ہے کہ ان اناجیل کی حیثیت صرف اور صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری ہونے کی ہے، یہ خدا کی نازل کردہ ہرگز نہیں ہیں۔

مذکورہ اناجیل اربعہ کے علاوہ ایک ''انجیل'' اور بھی ہے جو آج سے صرف ۲½ سو سال پہلے دریافت ہوئی ہے اور اس کی نسبت برناباس نامی حواری کی طرف کر کے اسے انجیل برناباس کہا جاتا ہے۔

اس کی دریافت کا مکمل تاریخی پس منظر معلوم کرنے کیلئے پروفیسر لیاقت علی عظیم کی کتاب ''مذاہب کا تقابلی مطالعہ'' ص ۴۲۳ ملاحظہ فرمائیں۔ گو کہ اس انجیل کی دریافت

سے عیسائیت میں تہلکہ مچ گیا اور مسلمانوں پر الزام لگایا گیا کہ ان کے کسی عالم نے یہ کتاب لکھ کر برناباس حواری کی طرف منسوب کر دی ہے، ورنہ اس نام کی کوئی انجیل نہیں ہے تاہم اتنی بات ضرور قابل غور ہے کہ آخر اس انجیل میں ایسی کون سی خاص بات ہے جس نے عیسائیوں کو اس الزام تراشی پر مجبور کیا؟

سو یہ بات تو واضح ہے کہ تاریخی حقائق پر لاکھ کوشش کے باوجود بھی پردہ نہیں ڈالا جا سکتا اور نہ ہی ان کی تکذیب کی جا سکتی ہے چنانچہ انجیل برناباس میں حضور ﷺ کی آمد کی خوشخبری، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے الوہیت کی نفی، انہیں سولی دیئے جانے کی تردید اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح اللہ ہونے کا تصریح وہ امور ہیں جنہوں نے عیسائیوں کو اس اقدام پر مجبور کیا، اگر چہ ہم بھی اس انجیل کو ''آسمانی انجیل'' نہیں قرار دیتے لیکن اس کی یہ تصریحات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات صادقہ کا ایک نمونہ ہیں۔

تحریف انجیل کے اسباب

اناجیل سے متعلق اس مختصر سی بحث کو اس عنوان پر ختم کیا جاتا ہے کہ علماء کرام کے ''انجیل'' کو محرف قرار دینے کے اسباب و وجوہات کیا ہیں؟ اور کیا وہ اسباب واقعۃً کسی کتاب کو محرف سمجھنے اور قرار دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں؟

اس سلسلے میں سب سے زیادہ مضبوط اور قابل اعتبار وجہ ان عیسائی مصنفین کا بے ساختہ اعتراف ہے جو عیسائی مذہب سے مخلصانہ طور پر وابستہ ہیں کہ اناجیل اربعہ کو وحی الٰہی سمجھنا غلط ہے، یہ تو صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری سے بحث کرتی ہیں اور بس۔

دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنف ایسے افراد ہیں جن کا تا حال کوئی ضابطہ حیات سامنے نہیں آسکا، مرقس، لوقا، متی اور یوحنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری نہیں اور ان کی شخصیت کبھی ایسی پر کشش نہیں رہ سکی جس نے ان کے مستند حالات تاریخ کے ذریعے ہم تک پہنچائے ہوں، اسی طرح ان کتابوں کا کوئی یقینی زمانہ تصنیف بھی معلوم نہیں۔

جب کتابوں کا مصنف مجہول افراد کو ٹھہرایا جا رہا ہے اور اس کی کوئی تردید بھی نہیں تو پھر اس بات پر یقین کئے بغیر بھی چارہ کار نہیں رہتا کہ ان مصنفین نے اپنی طرف سے کمی بیشی کا ارتکاب کیا ہے اور یہی تحریف ہے۔

تیسری اہم وجہ یہ ہے کہ اگر موجودہ انجیل اصلی ہوتی تو پھر اس میں اختلافِ بیانی اور متضاد باتوں کا ایک طویل سلسلہ ہرگز نہ ہوتا، یہی نہیں بلکہ یہ چاروں انجیلیں بہت ساری باتوں میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتی ہیں اور اختلاف بھی وہ جو غیر معمولی ہے، یہ بھی انجیل کے محرف ہونے کی دلیل ہے۔

چوتھی اہم وجہ یہ ہے کہ وحی الٰہی پر مشتمل انجیل صرف ایک تھی اور یہ تو چار ہیں، یقیناً ان میں سے تین وحی الٰہی پر مشتمل نہیں اور یہ احتمال ہر ایک میں پایا جاتا ہے اس لئے ہم کسی انجیل کو بھی اصلی قرار دینے میں معذور ہیں۔

عیسائی مذہب کی اہم رسومات

عیسائی مذہب کی رسومات میں دو رسموں کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے لیکن ان دونوں کا تعلق اس شخص کے ساتھ ہوتا ہے جو اپنے مذہب کو ترک کر کے ''عیسائیت'' کا جوا اپنے گلے میں ڈالے اور اپنے آپ کو ''عیسائی'' قرار دے۔

بپتسمہ

عیسائیت میں داخل ہونے والے ہر شخص کیلئے اس رسم کا ادا کیا جانا ضروری ہے گویا یہ ایک ''ابتدائی رسم'' ہے جس کے بغیر کوئی شخص دائرہ عیسائیت میں داخل نہیں ہوسکتا، یہ درحقیقت غسل کا ایک مخصوص طریقہ ہے جس کے پس پردہ کفارہ کا عقیدہ کارفرما ہے۔

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان ''یسوع'' کے واسطے ایک بار مر کر دوبارہ زندگی پاتا ہے اور یہ موت درحقیقت اس کے گناہوں کی سزا ہوتی ہے اس کے بعد انسان گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔

بپتسمہ کا مخصوص طریقہ یہ ہے کہ عیسائیت میں داخل ہونے والے شخص کو ایک کمرے میں لیجا کر اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا منہ مغرب کی طرف ہو، اس کے بعد وہ اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے اے شیطان! میں تجھ سے اور تیرے عمل سے دستبردار ہوتا ہوں، پھر وہ مشرق کی طرف منہ کر کے عیسائی عقائد کا اپنی زبان سے اقرار و اعتراف کرتا ہے۔

اس کے بعد اسے ایک اور بند کمرے میں لے جایا جاتا ہے اور اس کے تمام کپڑے اتار کر اسے مکمل برہنہ کر دیا جاتا ہے اور سر سے لیکر پاؤں تک دم کیا ہوا تیل اس کے جسم پر ملا جاتا ہے پھر اسے ایک حوض میں ڈالا جاتا ہے اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا وہ باپ، بیٹے اور روح القدس پر عیسائی تفصیلات کے مطابق ایمان رکھتا ہے یا نہیں؟ جواب اثبات میں پا کر اسے حوض سے نکال کر سفید کپڑے پہنائے جاتے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ شخص اب گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو گیا ہے جیسے یہ سفید کپڑا، اس کے بعد اس شخص کو جلوس کی صورت میں کلیسا لیجایا جاتا ہے۔

عشائے ربانی

دائرہ عیسائیت میں داخل ہونے کے بعد ادا کی جانیوالی رسوم میں یہ بھی انتہائی اہم رسم ہے جس کی تاریخ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی گرفتاری سے قبل اپنے حواریوں کو رات کا کھانا کھلایا تھا، اس کی یاد میں یہ رسم منائی جاتی ہے اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اتوار کے دن سب لوگ کلیساؤں میں حاضری دیتے ہیں اور ایک دوسرے کا بوسہ لیکر مبارک باد دیتے ہیں، اس کے بعد روٹی اور شراب لائی جاتی ہے پھر پادری دعا کرتا ہے اور حاضرین آمین کہتے رہتے ہیں، اس روٹی اور شراب کو اپنے جسم کا حصہ بناتے ہوئے عیسائیوں کے ذہنوں میں یہ عقیدہ تازہ ہوتا ہے کہ یہ روٹی مسیح کے بدن میں تبدیل ہو جاتی ہے اور شراب ان کے خون میں بدل جاتی ہے۔

رہبانیت

اسے عیسائیت کی رسومات میں تو شمار کرنا شاید صحیح نہ ہو لیکن انکی تعلیمات کا حصہ اور زندگی گزارنے کی ایک تکلیف دہ صورت ضرور قرار دیا جا سکتا ہے کہ انسان اپنے تمام تر تعلقات کو پس پشت ڈال کر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لے، معاشرتی اور معاشی زندگی سے کٹ کر ایک طرف کو ہو کر بیٹھ جائے، شادی بیاہ کی ذمہ داریوں سے اپنی جان چھڑا تا پھرے اور حقیقت یہ ہے کہ ترک دنیا کا یہ عنصر عیسائیت نے یہودیت سے مستعار لیا ہے اور اسے اپنے عقائد کا حصہ بنا لیا ہے، تعلیمات وحی کی اس سے کوئی مطابقت نہیں۔

﴿عیسائیوں کے تہوار﴾

عیسائیوں کے مختلف تہواروں میں تین مواقع انتہائی اہمیت کے حامل ہیں جن کی مختصر وضاحت حسب ذیل ہے۔

اتوار کا دن

انگریزی میں اتوار کو ''سن ڈے'' کہتے ہیں اور ''سن'' کا مطلب ''سورج'' ہے تو ''سنڈے'' کا معنی ہوا ''سورج کا دن'' اصل میں یونانی مشرکوں کے یہاں یہ دن سورج کی پوجا کیلئے مقرر تھا اسی طرح ہندو بھی ''اتوار'' کو سورج کی پوجا کیلئے مخصوص رکھتے تھے، ان کی دیکھا دیکھی عیسائیوں نے بھی اسے مقدس سمجھنا شروع کر دیا اور اب یہ ان کے یہاں ایک مقدس دن اور تہوار کا موقع ہوتا ہے۔

کرسمس

عیسائی تہواروں میں یہ دن ایسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسے مسلمانوں میں عید کا دن، کیونکہ یہ عیسائیوں کا سالانہ تہوار ہے جو پچیس دسمبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سالگرہ کے طور پر منایا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس تاریخ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی، اسی خوشی میں کیک کاٹے جاتے ہیں اور مختلف قسم کے طریقوں سے خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

ایسٹر

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب سولی پر چڑھا دیا گیا تو وہ تین دن بعد دوبارہ زندہ ہو گئے تھے اور چونکہ یہ ۲۱ مارچ کی تاریخ تھی اس لئے اس خوشی میں عیسائی ۲۱ مارچ کو یا اس کے فوراً بعد آنے والی اتوار کو یہ تہوار مناتے ہیں۔

یاد رہے کہ یہ وہی دن ہے جسے ایرانی ''نوروز'' کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ہندو اسے ''بسنت'' کا موقع قرار دیتے ہیں۔ مصر اور آئرلینڈ کے لوگ ایسٹر کو ''آسٹر'' کہتے ہیں جس کا مطلب ''بہار کی دیوی'' ہے۔ اس اعتبار سے ان کے یہاں یہ ''بہار کی دیوی''

کی تقریب ہوتی ہے۔

عیسائیوں کے مختلف فرقے

آسمانی مذاہب میں عیسائیت کو جو اہمیت حاصل ہے اس میں کسی کو کلام نہیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل تسلیم ہے کہ فرقوں کی جتنی کثرت کا حامل یہ مذہب ہے کوئی اور نہیں مثلاً نسطوریہ، یعقوبیہ اور ملکانیہ وغیرہ، جس کی سب سے اہم وجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کے بارے اختلاف ہے۔

چنانچہ کوئی انہیں ''خدا'' کہتا ہے تو کوئی ''خدا کا بیٹا'' قرار دینے پر مصر نظر آتا ہے کسی کی تان یہاں آکر ٹوٹتی ہے کہ خدا کی روح ان میں حلول کر گئی تھی اور کسی نے عقیدہ مصلوبیت کو اپنے ایمان کا جزو بنایا تاہم ان میں دو فرقوں کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی اور عیسائیوں کی اکثریت انہی کے ساتھ وابستہ ہے۔

(۱) پروٹسٹنٹ فرقہ (۲) کیتھولک فرقہ

موجودہ عیسائیت اور اسلام کا تقابلی جائزہ

عنوان میں ''موجودہ عیسائیت'' کی قید لگانے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت عیسائیت کا صحیح تصور اور اس کی صحیح تعلیمات اور مذہبی کتابیں ہمارے سامنے موجود نہیں جن میں ''وحی الہیٰ'' کی روشنی بھی شامل ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح حیات کے ضمن میں اس کی عملی تشریح کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہو اس لئے یہاں موجودہ عیسائیت اور اسلام کا تقابل پیش کیا جارہا ہے۔

تثلیث

عیسائیوں کا مشہور فلسفہ ہے ''تین ایک میں، ایک تین میں'' جسے وہ خود بھی آج تک حل نہیں کر سکے تاہم یہ ان کے عقائد کا آئینہ دار ہے کہ وہ خدا کو تین اقانیم سے مرکب قرار دیتے ہیں، باپ، بیٹا اور روح القدس، جبکہ اسلام توحید خالص کا علم بردار اور داعی ہے اور کفر و شرک اور تثلیث کا ماحی ہے۔

شریعت

عیسائیت نے شریعت کو ایک لعنت قرار دیا ہے ورنہ ہمیشہ اور ہر نبی کی شریعت یکساں ہوتی اور تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان شریعت پر عمل نہیں کر سکتا جبکہ اسلام شریعت کو لعنت قرار دینے کی بجائے ''ذریعہ ہدایت'' قرار دیتا ہے اور اپنے پیروکاروں کو یہ باور کراتا ہے کہ اس کا کوئی حکم بھی حکمت سے خالی یا انسانی طاقت سے باہر نہیں۔

قومی پیغام

عیسائیوں کی مذہبی کتابیں اور اناجیل اس بات کو تسلیم کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام محدود اور قومی سطح پر تھا، اسے عالمگیریت ہرگز حاصل نہ تھی اسی لئے اس کا چیلنج بھی ساری دنیا کیلئے نہ تھا جبکہ اسلام نے نہ صرف یہ کہ عالمگیریت کا دعویٰ کیا بلکہ اسے ثابت بھی کر کے دکھایا اور وہ اپنے اس دعویٰ میں حق بجانب ثابت ہوا۔

ابنیت

عیسائی عقائد کی گوناگوں صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ متضاد باتوں کا بیک وقت قائل ہو جاتا ہے چنانچہ الوہیت مسیح کیساتھ ساتھ وہ ''ابنیت مسیح'' کا عقیدہ بھی رکھتا ہے جبکہ اسلام خدا کو ''ابنیت'' یا تثلیث سے مکمل طور پر منزہ و مبرا قرار دیتا ہے اور توحید خداوندی میں کسی قسم کی تشکیک کو بالکل برداشت نہیں کرتا۔

ذریعہ نجات

عیسائیت میں عقیدہ کفارہ پر ایمان لائے بغیر نجات ممکن نہیں کیونکہ انسان پیدائشی اور فطری طور پر گناہ گار واقع ہوا ہے اور اس کے والدین آدم و حوا نے جو شجرہ ممنوعہ کا پھل کھانے کا گناہ کیا تھا اس نے پوری انسانیت کو گناہگار کر دیا، اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے انسان یا تو جرمانہ ادا کرے یا پھر ان کی سزا بھگتے۔ خدا بھلا کرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جنہوں نے اپنے آپ کو سولی پر چڑھا کر اس کے پیدائشی و غیر پیدائشی تمام گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا اس لئے اس عقیدے پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جبکہ اسلام اللہ

تعالیٰ کے فضل و کرم کے بعد انسان کے اعمال صالحہ کو ذریعہ نجات قرار دیتا ہے اور اس خیال کی کھلم کھلا تردید کرتا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا کفارہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے ادا کر دے۔

صلب عیسیٰ علیہ السلام

عیسائیت اب تک ''صلب عیسیٰ'' کے جال میں جکڑی ہوئی ہے اور انہیں سولی دیئے جانے پر مصر ہے جبکہ اسلام ببانگ دہل یہ اعلان کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا گیا اور نہ ہی انہیں سولی پر چڑھایا جا سکا بلکہ انہیں اشتباہ ہوگیا اور یہ پکی بات ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے میں اپنے مزعومہ مقاصد کے تحت کامیابی حاصل نہیں کی۔

عقیدہ حلول

اس سے مراد یہ ہے کہ خدائی صفات کی حامل ذات ایک وقت مقررہ کیلئے خدائی صفات کو چھوڑ کر انسانیت کے روپ میں زمین پر آئی، خدائی حیثیت سے وہ ذات ''خالق'' تھی اور انسانی حیثیت سے ''مخلوق'' یہ عقیدہ اسلام کی نگاہ فطرت میں تو کہاں اپنا مقام بناتا؟ عقل سلیم بھی اسے صحیح تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں لیکن عیسائیت اس پر دل و جان سے فریفتہ ہے۔

حیات ثانیہ

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی دیئے جانے کے تیسرے ہی دن دوبارہ زندہ ہوگئے تھے جبکہ اسلام نے ان کے انتقال ہی کو تسلیم نہیں کیا، حیات ثانیہ چہ معنی دارد؟

یہ اور اس قسم کی بہت سی چیزیں عیسائیت اور اسلام میں حد فاصل کا کام دیتی ہیں، اسلام کو تفوق اور عیسائیت کو تردد و نزول سے دوچار کرتی ہیں، مجھے اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ اسلام ایک دین فطرت اور ترجمان جبلت ہے، اس سے زیادہ انسانی نفسیات کو سمجھنے کا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو زیب دیتا ہے۔

باب دہم

شارع اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ارکان اسلام، تعلیمات اسلام، عقائد اسلام، کتب مقدسہ اور اسلام کی عالمگیریت

باب دہم

اسلام

گذشتہ صفحات میں مختلف مذاہب کی تعلیمات وافکار کا مختصرہ تذکرہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اور اسلام کے ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ بھی آپ کی نظروں سے گزرا، پھر ہمیں یہ بھی امید ہے کہ ہمارا مخاطب اور قاری دین اسلام کے ساتھ اپنی قلبی اور قالبی عقیدت وابستہ رکھتا ہے اس لئے دین اسلام سے متعلق کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف محسوس ہوتا ہے اور یہ احساس بھی اس پر مزید ہے کہ دین اسلام اور اس کی تعلیمات پر روشنی ڈالنے کے لئے یہ مختصر سا مجموعہ ہرگز کافی نہیں ہوسکتا۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ مذاہب کے اس تسلسل میں چونکہ سب سے پہلا نام عام طور پر ''اسلام'' ہی سامنے آتا ہے اس لئے اختصار کے ساتھ اس پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی جاتی ہے، نیز دیگر مصنفین نے بھی تقابل ادیان پر کام کرتے ہوئے چونکہ ''اسلام'' کا ذکر کیا ہے اس لئے بھی ہمارے ارادے کو تقویت ملتی ہے۔

شارع اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

مکہ مکرمہ کی بے آب وگیاہ سرزمین میں ''خانوادہ اسماعیل'' اپنی ذاتی وجاہت اور شخصی وقار میں اپنی نظیر آپ تھا، خواجہ عبدالمطلب بھی اسی خانوادے کے چشم و چراغ تھے جنہیں اپنی تمام اولاد میں ''خواجہ عبداللہ'' سے انتہائی قلبی محبت تھی اور کیوں نہ ہوتی؟ ان کی معصوم اور بھولی بھالی شخصیت اپنے ہر ناظر کو متاثر کرنے کے لئے بڑی مسحور کن ثابت ہوئی تھی، ان کی پیشانی نور نبوت سے چمکتی تھی جس کا اس مادی اور حسی دنیا میں دُلارے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صورت میں ظہور پذیر ہونا مقدر تھا۔

۵۷۱ء کا سال عیسوی اور شمسی کیلنڈر میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسی سال راہنمائے عالم خواجہ عبداللہ کے فرزند، بی بی آمنہ کے نور نظر اور محبوب رب العلیٰ نے

خطہ ارضی پر ورود فرمایا تھا، بچپن میں یہ بچہ عام بچوں سے مختلف تھا، جوانی میں عام جوانوں سے اور ظاہری بڑھاپے کی عمر میں عام بوڑھوں سے یکسر مختلف۔

بکریاں چرانا عرب کا عام پیشہ تھا اور ہر نبی نے بکریاں چرائیں اس لئے بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بکریاں چراتے رہے۔ جوانی میں تجارت کی پہلی دہلیز پر قدم رکھا تو کامیابی نے آپ کے قدم چومے اور تجارت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رہنمائی حاصل کی۔

چالیس سال کی عمر میں منصب نبوت سے سرفراز ہوئے اور پورے ۲۳ برس تک کامل تندہی و فرض شناسی کے ساتھ اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہوتے رہے، اس دوران آپ کو طرح طرح سے ستایا گیا، راہ حق سے قدم پھسلانے کی بھرپور اور مضبوط کوششیں ہوئیں، آپ کو اپنے منصب کی ادائیگی سے روکنے کے لئے طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں لیکن فضل خداوندی آپ کے شامل حال اور دستگیر تھا، پھر پائے ثبات میں لغزش کیونکر آسکتی تھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راہِ حق میں آنے والی ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور اپنے پروردگار سے کبھی شکوہ نہیں کیا، نتیجتاً آپ کو ''معراج جسمانی'' کا ایسا شرف عطا فرمایا گیا جو کائنات میں کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔ قرآن کریم جیسا لازوال لاثانی اور لافانی شاہکار معجزہ عطا ہوا جس کا تعلق صرف آپ کی حیات سے مخصوص نہ تھا بلکہ اسے رہتی دنیا تک کے لئے راہنما اور ہادی بنانے کا فیصلہ ازل ہی میں ہو چکا تھا۔

آپ کی زندگی میں واقعہ طائف، واقعہ ہجرت، بدر و حنین کے غزوات، صلح حدیبیہ کا تناظر اور حجۃ الوداع کے خطبات ناقابل فراموش اہمیت کے حامل ہیں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ آپ کی حیات مبارکہ میں کوئی لمحہ غیر اہم بھی ہے کیونکہ راقم اپنا یہ عقیدہ بزرگوں کے حوالے سے بالکل صحیح اور قابل اشاعت سمجھتا ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ کا ایک لمحہ بھی غیر اہم نہ تھا، یہ تو ہم ظاہر بینوں کے لئے ایک انتہائی مختصر فہرست ہے ورنہ صرف فہرست ہی کے لئے ایک ضخیم مجلد درکار ہے۔

۶۳ برس کی عمر میں اپنے رب کی فرمائش پر اور محبوب سے ملاقات کے اشتیاق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دار فانی سے رختِ سفر باندھا اور پروردگارِ عالم کے حضور سربسجود

ہوگئے اور امت کو ''کتاب وسنت'' کا بہترین تحفہ اور دستور العمل عنایت فرما گئے۔

ارکانِ اسلام

شارع اسلام ﷺ کی سوانح حیات لکھنے کے لئے تو عمر نوح درکار ہے، یہ مختصر سا تعارف شاید تعارف کہلانے کا بھی مستحق نہ ہوتا ہم اختصار کے پیش نظر نہ چاہتے ہوئے بھی قلم یہیں روک کر ''ارکان اسلام'' پر ایک سرسری نظر ڈال رہا ہوں جنہیں آپ اسلام کی عمارت کے بنیادی اور اہم ستون قرار دے سکتے ہیں، ان کی تعداد پانچ ہے جو کہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) اقرار توحید ورسالت
(۲) نماز
(۳) زکوٰۃ
(۴) روزہ
(۵) حج

توحید ورسالت

اسلام اور دیگر مذاہب میں ''توحید ورسالت کا اقرار'' حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر کوئی انسان دائرہ ایمان میں نہ داخل ہوسکتا ہے اور نہ رہ سکتا ہے اور اسلام میں ان دونوں لفظوں کا مفہوم اپنے اندر ایک مخصوص وسعت رکھتا ہے چنانچہ توحید صرف ''اللہ کو ایک ماننے'' کا نام نہیں بلکہ اللہ کو اس کی ذات، صفات، کمالات اور اختیارات ہر چیز میں یکتا ماننا توحید کا صحیح مفہوم ہے۔

اسی طرح ''رسالت'' صرف حضور ﷺ کو رسول ماننے کا نام نہیں بلکہ آپ کی رسالت کے اقرار کے ساتھ ساتھ یہ اعتقاد بھی اس کا جزو ہے کہ آپ کے بعد اب کوئی شخص نبی بن کر نہیں آسکتا اور آپ ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے ان پر ایمان لانا اور ان کا احترام کرنا ہمارے عقیدے کا حصہ ہے۔

نماز

عبادات میں اسے وہ اہمیت حاصل ہے جو جسم میں روح کو ہوتی ہے اور اس کے بغیر کسی بھی انسان کا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا، اس کی ادائیگی کے اوقات سے لے کر اختتام تک ایک ایک چیز کے لئے قواعد وضوابط مقرر ہیں کہ کھڑا کیسے ہونا ہے؟ جھکنا کیسے ہے؟ زمین پر سر رکھ کر اپنی عاجزی کا اقرار کس طرح کرنا ہے؟ اور ادب کے ساتھ بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے؟ یہی وجہ ہے کہ بدنی عبادات میں نماز کو انتہائی جامع، مختصر اور مغز عبادت قرار دیا جاتا ہے۔

زکوٰۃ

اسلام نے دولت کو دولت مندوں ہی میں محصور رکھنے کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ ہمیشہ اس کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دلائی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ جس شخص کے مال کی ایک مخصوص مقدار پر جب پورا سال گزر جائے تو وہ اڑھائی فیصد کے حساب سے اپنے تمام مال کی زکوٰۃ ادا کرے تاکہ اس کے مال میں خیر و برکت بھی ہو اور وہ ضائع ہونے کے اندیشے سے بھی محفوظ ہو جائے۔

روزہ

ماہِ رمضان میں طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک اپنی کسی قسم کی خواہش پر عمل کرنے سے رکنے کا نام "روزہ" ہے جو مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد اب اس نہج پر پہنچا ہے جسے ہم مسلمانوں میں دیکھتے ہیں۔

حج

مکہ مکرمہ میں موجود بیت اللہ کا طواف، میدانِ عرفات میں وقوف اور منی میں رمی جمار وغیرہ مخصوص طریقے سے مخصوص ایام و مہینوں میں سرانجام دینا "حج" کہلاتا ہے اور جس گھر کا طواف کیا جاتا ہے وہ مسلمانوں کا سب سے زیادہ اور انتہائی مقدس مقام ہے۔ اس کے بعد مسجد نبوی علی صاحبھا الوف سلام وتحیۃ کا درجہ ہے چنانچہ حج کی نیت سے مکہ مکرمہ

جانے والے افراد مدینہ منورہ کی حاضری کو بھی اپنے لئے غنیمت اور سعادت سمجھتے ہیں۔

جہاد

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو یہ تعلیم بھی دی ہے کہ انہیں اسلام کی صورت میں جو ''نعمت'' ملی ہے اسے عام کریں اور غیر مسلموں کو بھی اس میں شامل کریں۔ اس کے لئے انہیں دور دراز ممالک کا سفر کر کے غیر مسلموں کو دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینا ہوتا ہے لیکن اگر غیر مسلم اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیں تو انہیں اسلامی حکومت کے ماتحت رہ کر ٹیکس ادا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، بصورت دیگر تلوار ان کے لئے ثالث ہوتی ہے اسی کو ''جہاد'' سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ انتہائی اہم عبادت اور قابل اجر و ثواب عمل ہے۔ اس دوران فوت ہو جانے والے افراد ''شہید'' کہلاتے ہیں، زندہ بچ رہنے والے موت کی تمنا میں رہتے ہوئے ''غازی'' کہلاتے ہیں۔

﴿اسلامی تعلیمات﴾

اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے وہ اپنے پیروکاروں کو ایک مکمل دستور عطا کرتا ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر اپنے ساتھ وابستہ افراد کی دینی اور مذہبی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے، اس کا مختصر خلاصہ پانچ چیزوں میں ذکر کیا جا سکتا ہے۔

(۱) عقائد

(۲) عبادات

(۳) معاملات

(۴) معاشرت

(۵) اخلاقیات

اسلام اپنے پیروکاروں کی راہنمائی کسی مخصوص اور محدود دائرے کے تحت نہیں کرتا بلکہ اس کی رہنمائی زندگی کے ہر شعبے کو ہر دور میں حاصل رہی ہے چنانچہ اسلام صرف چند عقائد یا مخصوص عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ معاملات، معاشرات اور اخلاقیات تک بھی

اپنا دائرہ وسیع کرتا ہے۔

عقائد

اسلام میں ''عقائد'' کو اساسی اہمیت حاصل ہے جس میں حسب ذیل عقائد انتہائی ضروری ہیں۔

(۱) عقیدۂ توحید و رسالت

(۲) عقیدۂ آخرت

(۳) عقیدۂ حفاظت قرآن کریم

(۴) عقیدۂ عصمت انبیاء کرام علیہم السلام

(۵) عقیدۂ جنت و جہنم (جزاوسزا) وغیرہ

عبادات

اسلام نے اپنے پیروکاروں کا تعلق معبود حقیقی سے ہر موقع پر جوڑا ہے اور زندگی کے کسی لمحے کو بھی اس سے خالی نہیں رہنے دیا چنانچہ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے ساتھ ساتھ اسلام کی نظر میں طلب کسب حلال سے لے کر ایک مسلمان کا کھانا پینا بلکہ اپنی طبعی ضروریات کو پورا کرنا بھی عبادت کے زمرے میں داخل ہوسکتا ہے۔

معاملات

بیع وشراء اور تجارت انسانی زندگی کا ایک فطری تقاضا اور ترقی کا ذریعہ ہے، اسلام نے اس میں اپنے پیروکاروں کی اتنی رہنمائی کی کہ دنیا کا کوئی مذہب بھی اپنے پیروکاروں کے لئے اسے مہیا نہ کرسکا اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی اسلام ''معاملات'' کے اعتبار سے ایک کامل اور مکمل دین ہے۔

معاشرات

معاشرتی زندگی کے بارے بھی اسلامی تعلیمات ناقابل فراموش اور انتہائی باریک بینی پر مبنی ہیں، جنہیں کتابوں میں پڑھ کر ایک صالح معاشرہ کا تصور ابھرتا ہے اور

عملی زندگی میں جاری کرنے سے رشکِ ملائک معاشرے کی صورت سامنے آتی ہے۔

اخلاقیات

اسلام نے اخلاقیات پر بھی بہت زیادہ توجہ دی ہے اور اپنے پیروکاروں کو بتایا ہے کہ اخلاقیات صرف کسی سے مسکرا کر مل لینے کا نام نہیں بلکہ صبر، شکر، توکل، قناعت، عفت وعصمت، شجاعت وبسالت، سخاوت اور رضا بر قضاء جیسے اہم اوصاف اخلاقیات کا اہم ترین جزو ہیں، انہیں حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے ''تکریم واحترام انسانیت'' کا لازوال درس دیا، اخوت اور باہمی اتحاد واتفاق کی ترغیب دی، ہر ایک کو اس کا جائز اور مناسب حق دیا، عورت جو قبل از اسلام پاؤں کی جوتی سمجھی جاتی تھی اسے سر کا تاج بنایا، اسے وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا، اسلام نے اسے وراثت میں حصہ دار قرار دیا، اسے بازاروں کی زینت اور لوگوں کی ننگی بھوکی نظروں کا نشانہ بنایا جاتا تھا، اسلام نے اسے گھر کی ملکہ بنا کر لوگوں کی گندی نظروں سے محفوظ کر دیا۔

اسلام اپنے پیروکاروں میں امیر اور غریب، شریف اور چھوت، کالے اور گورے کی تفریق بالکل پسند نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے پیروکاروں میں عزت وتوقیر کا معیار ''خوفِ خدا'' کو بھرنا چاہتا ہے اور صحیح اسلامی معاشرہ اس کا بہترین نمونہ ہوتا ہے۔

اسلام قبول کرنے کا طریقہ

ادیان باطلہ میں داخل ہونے کے لئے مختلف قسم کے عجیب وغریب طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ اسلام نے ان تمام کے برعکس انتہائی مختصر اور آسان طریقہ بیان کیا ہے جس کے لئے کسی لمبے چوڑے مجاہدات یا عجیب وغریب امور کو اختیار کرنا کوئی ضروری نہیں بلکہ اسلام قبول کرنے کا خواہش مند غسل یا وضو کر کے کسی بھی مسلمان کے ہاتھ پر کلمہ پڑھ لے بلکہ اگر غسل اور وضو کرنے کا موقع نہ ملے اور خود ہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے تب بھی اسے مسلمان شمار کیا جائے گا اور جب وہ لوگوں کے سامنے اپنے اسلام کو ظاہر کرے تو لوگ بھی اسے قبول کریں گے۔

کتب مقدسہ

دستور العمل اور ضابطہ حیات کے اعتبار سے اسلام جتنا مالا مال اور امیر ہے اتنا دنیا کا کوئی اور دین یا مذہب نہیں کیونکہ اسلام کا دستور حیات ''حفاظت خداوندی'' کے تحت پہرے میں ہے جب کہ دیگر مذاہب کے دستور یا قانونی کتابیں زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکیں اور یہ صرف ہمارا دعویٰ نہیں بلکہ دنیا کا ہر آدمی اس حقیقت سے واقف اور اس کا معترف ہے کہ ''قرآن کریم'' کی صورت میں مسلمانوں کا ''دستور زندگی'' انتہائی محفوظ دستور ہے۔

مسلمانوں کی یہ مقدس اور مذہبی کتاب جو نری کتاب ہی نہیں بلکہ ''کلام خداوندی'' ہونے کا شرف بھی اسے حاصل ہے، قرآن کریم ہے جو کہ پروردگار عالم کی طرف سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر پر یکبارگی نازل کرنے کی بجائے ۲۳ سال کے عرصے میں اتارا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ حقائق اور واقعات سے جتنی مناسبت ہمیں اس آسمانی کتاب میں دکھائی دیتی ہے کسی اور آسمانی صحیفے میں تلاش بسیار کے بعد بھی اس کی نظیر نہیں ملتی اور اس کے بیان کردہ حقائق کو دنیا کا کوئی فلسفی آج تک رد نہیں کر سکا اور نہ ہی تا قیامت رد کر سکے گا۔ (انشاء اللہ)

اسلامی اور دینی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے حل کا سب سے بڑا ماخذ ''قرآن کریم'' ہی ہے اور مسلمان اپنی رہنمائی کے لئے ہر مسئلے میں سب سے پہلے اسی کی طرف رجوع کرنے میں قلبی راحت محسوس کرتے ہیں اور اس میں آنے والے ہر حکم کو سر آنکھوں پر لیتے ہیں، دل و جان سے قبول کر کے ان پر عمل کی شاہراہ استوار کرتے ہیں۔

قرآن کریم کے بعد احکام کا دوسرا بڑا ماخذ ''حدیث'' ہے جس کا آسان مفہوم ''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال اور مشاہدات'' بیان کیا جا سکتا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بھی مسلمانوں کے لئے رہنما ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی موقع پر خاموش رہنا بھی ایک قانون ہے، بالفاظ دیگر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں

کے پاس دینی و دنیوی رہنمائی کے لئے ایک علمی قرآن ہے اور دوسرا عملی قرآن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات جن کتابوں میں جمع کی گئی ہیں ان میں سب سے زیادہ مستند کتابیں چھ ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱)	صحیح البخاری	اس میں کل احادیث کی تعداد ۷۵۶۳ ہے۔
(۲)	صحیح مسلم	اس میں کل احادیث کی تعداد ۷۵۶۳ ہے۔
(۳)	جامع ترمذی	اس میں کل احادیث کی تعداد ۳۹۵۶ ہے۔
(۴)	سنن ابی داؤد	اس میں کل احادیث کی تعداد ۵۲۷۴ ہے۔
(۵)	سنن نسائی	اس میں کل احادیث کی تعداد ۵۷۶۱ ہے۔
(۶)	سنن ابن ماجہ	اس میں کل احادیث کی تعداد ۴۳۴۱ ہے۔

یہی وہ چھ کتابیں ہیں جنہیں ''صحاح ستہ'' (چھ صحیح ترین کتابیں) کہا جاتا ہے اور اکثر اسلامی احکام ان میں مل جاتے ہیں اس لئے مسلمانوں کی مقدس کتابوں میں مذکورہ چھ کتابیں اور ان میں سے بھی خاص طور پر پہلی دو کتابیں زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔

اسلام ایک عالمگیر مذہب

تاریخ عالم سے واقفیت رکھنے والا ایک ادنی طالب علم بھی اس بات سے واقف ہے اور مؤرخین نے بھی انتہائی صفائی سے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اسلام نے جس مختصر سے زمانے میں پوری دنیا پر اپنی فتح کے جھنڈے گاڑے اس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔

پھر اسلام نے غیر مسلموں پر اپنا جو اثر ڈالا اسے وہ کبھی فراموش نہ کر سکے اور اسلام قبول کر لیا یا کم از کم دیگر ادیان و مذاہب کی نسبت اسلام کے لئے اپنے دل میں انتہائی نرم گوشہ رکھا جس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اسلام فطرت انسانی کے انتہائی قریب جا کر اپیل کرتا ہے اور یہ خصوصیت کسی قومی یا نسلی اور علاقائی دین میں نہیں ہو سکتی اس لئے ایک غیر جانبدار مصنف اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جسے بجا طور پر زندگی کے ہر شعبے میں منتشر اور اشاعت پذیر ہونا چاہئے۔

يَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي خَلِيفَةٌ يَحْثِي الْمَالَ حَثْيًا وَلَا يَعُدُّهُ عَدًّا مسلم شریف

كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ متفق علیہ

اسلام میں امام مہدی رضی اللہ عنہ کا تصوّر

امام مہدیؓ سے متعلق اہلسنت والجماعت کا عقیدہ، نام و نسب، سیرت و حلیہ، علامات
ظہور مہدیؓ، صحیحین میں امام مہدیؓ سے متعلق احادیث، واقعاتی تناظر میں،
منکرین و مدعیان مہدویت اکابر علماء کی آراء و فتاوی

از افادات
حضرت مولانا پروفیسر محمد یوسف خان صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

مؤلف
مولانا حافظ محمد ظفر اقبال
فاضل جامعہ اشرفیہ

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون [illegible]